الشعراء تلامیذ الرحمٰن

صدائے جوبلی

یعنی

گلدستہ مشاعرہ خاص انجمن حدیقۃ الشعر
مسلم یونیورسٹی علیگڈھ
منعقدہ دسمبر ۱۹۲۵

مرتبہ

محمد بشیر احمد علوی القادری بی اے (علیگ)
(سابق نائب معتمد اعزازی)

فہرست مضامین

جشن جوبلی

اور

مسلمانان ہند

ین جشن منانے کا رواج زمانہ قدیم سے ثابت ہے لیکن یہ رسم سلاطین و وزرا کا
ص رہی ہے جشن سدہ اور جشن نوشابہ سے کون واقف نہیں۔ عہد حاضرہ
سلطنت انگلستان یعنی ملکہ وکٹوریہ کے پنجاہ و شصت سالہ جوبلی کے جشن منانے
اور اسکی عموم و خواص کا لطف اٹھانے والے ابھی کروڑوں کی تعداد میں
ہندوستان میں موجود ہیں اور حقیقت الامر یہی ہے کہ عالمگیر جشن منانے کا حق
وقت ہی کو ہو سکتا ہے ورنہ مقامی جشن محدود دائرہ میں کون ذی حیثیت
اپنے مقدور کے موافق تقریبات مسرت اندوزی کے سلسلے میں نہیں
پھر ہندوستان کے مسلمان اور جشن جوبلی کا تخیل ایک خواب سے زیادہ
نہیں رکھ سکتا جہاں نہ ابھی اب سلطنت ہے نہ کسی ایک ایسے ذات
باقی ہے جسکی مسرت اور شادمانی کے شریک بر اعظم ہند کے عوام اور
ہو سکیں۔ بارے خدائے پاک کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اس گئی
حالت میں بھی مسلمانوں کے خود اپنے کرتوت سے دہلی کا سیاسی مرکز
علیگڈھ کا علمی مرکز عطا فرمایا جسکی گرفت اہل ہند کے قلوب پر علمی
حیثیت سے اتنی ہی ہے جتنی کبھی غازی اسلام علاء الدین خلجی اور سلطان
حضرت محی الدین عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں سیاسی نسبت سے
آج کون شہر اور کون قصبہ ہندوستان کا کشمیر سے کماری تک ایسا
علیگڈھ کو اپنی نسلوں کا ملجا اور ماوا نہ سمجھتا ہو۔ کون سر رشتہ حکومت

برٹش انڈیا اور نیم مختار ریاستون مین ایسا ہے جہان علیگڈھ کے فرزندان رشید اپنی خاص قابلیت اور وجاہت سے ممتاز نظر آتے ہون چنانچہ جب اس جامعہ اسلامی کے قیام کو پچاس سال گذر چکے تو اسکی مرکزیت کی اہمیت کی جانچ کے لیے عالی جناب صاحبزادہ آفتاب احمد خان صاحب وائس چانسلر اور کالج کے قدیم مربی اور مخلص سرپرست عالی جناب آنریبل نواب سر محمد مزمل اللہ خان صاحب بالقابہ اور اس کے جانثار فرزند دلبند اور حقیقی بہی خواہ و خیر اندیش عالی جناب ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب پرو وائس چانسلر کو بموقع اس یگانہ روزگار انسٹیٹیوشن کے پنجاہ سالہ جوبلی منانے کا خیال پیدا ہوا جو تحریک کے ساتھ ہی مقبول عام ہوا اور ہر طرف سے اس دعوت پر صدا ے لبیک آنے لگی حتے کہ حضور پر نور عالی بارگاہ ہز ہائینس مہاراجہ صاحب بہادر دام اقبالہ نے بھی شرکت فرما کر ذرہاے خاک کالج کو رشک خورشید تابان بنایا۔ اور اپنے اخلاق کریمانہ اور عطیات شاہانہ سے قوم کو گرویدہ احسان کیا۔ اکثر مسلم امرا اور روسا اور لارڈ بائز و ممبران کورٹ اور حکام والا تبار نے بالواسطہ یا بلا واسطہ ہفتہ جوبلی کے پروگرام مین حصہ لیا اور مختلف صوبجات کے تعلیمی نمائندون نے امید سے زیادہ دلچسپی کا اظہار کیا۔

اکثر یونیورسٹیون کے وائس چانسلر صاحبان نے بذاتہ شرکت فرما کر نمائندگی کا خوشگوار فرض ادا کیا اور سب سے زیادہ اس جشن کی کامیابی کا مدار سرکار ابد قرار بھوپال پر تھا جسکی طرف سے علاوہ عطیات سلطانی تمام خیمہ و خرگاہ و پنڈال و آرایش کیمپ سب بھوپال کے طفیل تھی۔ چنانچہ ایک ہفتہ کے جشن کے لیے طول و طویل پروگرام مرتب کیا گیا جسکی رو سے ساٹھ ستر کام پے در پے تجویز ہوے اور ہر روز آٹھ دس اعمال مین شرکت قرار پائی جسمین سے دو وقت انعقاد مجلس مشاعرہ کے بھی شامل ہوے۔ مجھے بحیثیت ذمہ دار پریسیڈنٹ پولیٹکل سوسائٹی یونیورسٹی کے ایسے عظیم ہنگامہ مین مجلس مشاعرہ منعقد کرنے مین جھجک محسوس ہوئی

کیونکہ مین نازک خیال شعرا کی مہانداری کے مشکلات کا اندازہ رکھتا تھا اور تشویش تھا کہ ہر وقت کے انہماک فرائض مختلفہ مین اپنے معزز مہمانون کی خاطر و تواضع ویسی نہ ہو سکے گی جو کسی دوسرے اطمینان اور سکون کے وقت ہو سکتی ہے لیکن جناب صاحبزادے صاحب کی دلی خواہش کو پورا نہ کرنے کی جرأت بھی نہ رکھتا تھا اس لیے ڈرتے ڈرتے خطوط دعوت شعرا سے نامدار کی خدمت والا مین ارسال کیے اور یونیورسٹی ان حضرات با برکات کی ممنون و متشکر ہے جنھون نے دعوت قبول فرمائی اور موسم سرما کی زحمت کا خیال نہ فرما کر دور و دراز مقامات سے شرکت مشاعرہ کے لیے تشریف لائے اور اپنے اپنے کلام بلاغت نظام سے اردو فن ادب مین اضافہ فرمایا۔ اسماے گرامی ان حضرات کے ہر غزل کے عنوان مین مندرج ہین اسلیے یہان انکی تکرار نہین کی گئی۔ یہ سب حضرات حالی کیمپ اور شبلی کیمپ مین ٹھہراے گئے جو مرحومین کی یاد مین قائم کیا گیا تھا۔ پولیٹکل سوسائٹی بالخصوص فخر ہندوستان عالی جناب والا مناقب سید علی امام صاحب بالقابہٗ کی شکرگذار ہے کہ آنجناب نے چند ساعت کے لیے مجلس خاص مشاعرہ کی صدارت فرما کر اسکی عزت کو دو بالا کیا اور جس خوشنودی سے اداے فرائض صدارت مین حصہ لیا اسکا احساس ہزارہا حاضرین محفل کو مدت دراز تک رہیگا۔

معذرت مجھے اس جشن آرائی کے لاتعداد کامون مین اشتغال کے باعث جو اندیشہ تھا وہ پیدا ہوے بغیر نہ رہ سکا اور گو شریف الطبع اور وسیع الاخلاق مہمانون نے اپنی زبان یا قلم سے شکایت نہ کی لیکن مجھے کامل احساس ہے کہ فرائض مہمانداری کا عشر و عشیر بھی میری کارکن جماعت سے ادا نہ ہو سکا۔ حتی کہ بعض اصحاب کی خدمت مین مجھے شرف باریابی بھی حاصل نہ ہوا۔ اور اگر میرے مخدوم و مکرم حضرت احسن صاحب مارہروی زاد فیوضہم میری دستگیری نہ کرتے تو نہ معلوم کیا نوبت پہونچتی۔ وہ بذات خود ہر مہمان سے ملتے رہے

اور ان کی آسائش کے سامان میں دن رات مصروف کار ہے ہے نیز اپنے مخلص دوست مسٹر محمد صادق صاحب ایم۔ اے اور کرم فرما مسٹر رشید احمد صاحب صدیقی کا ممنون ہوں کہ ہر دو حضرات نے میری استعانت میں دریغ نہ فرمایا وجہ یہ کہ میرے متعلق چند کام تھے جن میں سب سے زیادہ اہم پنڈال وغیرہ کی مزید آرائش کا تھا اگرچہ جناب میر شاہانی صاحب بھوپال نے پنڈال کے تیار کرنے میں کمال دکھلا دیا تھا لیکن کتبات اور پھول بیلوں کی آرائش میرے ذمہ تھی اور پنڈال کی وسعت کے تناسب مجھے اپنے ہاتھ سے پندرہ دن میں ۱۵-۱۵ فٹ طویل کتبے اور ہمارا است کالج کے تختے چالیس عدد بنا کر لگانا تھے جو عین مشاعرہ کے وقت تک لگائے جا سکے۔ اسی دوڑ دھوپ میں جو وقت ملتا تھا مجلس مشاعرہ کے متعلق بھی مصروف کار رہتا تھا۔ جسمیں ہمارے سکریٹری مسٹر خواجہ مسعود علی صاحب ذوقی بی اے علیگ اور اسسٹنٹ سکریٹری اور مسٹر کلیم الدین علوی بی۔ اے علیگ اور مسٹر مشیر احمد علوی بی اے اور مسٹر اشفاق حسین بیخود بی۔ اے وغیرہ نے میرا ہاتھ بٹایا۔ اسپر ایک مشکل اور تھی کہ ایک ہی وقت میں ادھر مشاعرہ ہو رہا ہے۔ دوسری جگہ اولڈ بائز کا جلسہ ہے اور تیسری جگہ یونین کی ڈیبیٹ میں لوگ گھرے ہوئے ہیں۔ چنانچہ پہلا جلسہ جس میں چھ ہزار اشخاص پنڈال میں شریک تھے نہایت آب و تاب سے ختم ہوا اور جسمیں علاوہ دیگر شعراء نامی کے جناب خواجہ دل محمد صاحب نے اپنی نعت خوانی سے جو عجیب طرح میں تھی ایک لطف تازہ پیدا کر دیا تھا دوسرے شب کو جو جلسہ اسٹریچی ہال میں ہوا اسمیں ۱۱ بجے کے بعد دوسرے جلسوں کے کئی ہزار حضرات یکایک شریک ہو گئے اور مجلس کے سکون میں کچھ عرصہ تک فرق آ گیا اسکے ساتھ ہی ایک ایسا واقعہ ہوا جسپر ارکان کمیٹی کا کچھ اختیار نہ تھا یعنی ختم کار سے بہت پیشتر برقی روشنی یکایک مسدود ہو گئی اور صرف چند لالٹینوں کے دھندلی روشنی میں کئی ہزار کا مجمع بے ترتیبی سے رخصت ہوا اور اس خلاف امید رکاوٹ سے چند شعراء کی نظمیں پڑھنے سے رہ گئیں جنکے ساتھ ہم سب کو قلق ہوا

اور ضرور ہے کہ اسکی شکایت دلوں میں باقی رہگئی ہو لیکن خیر گذری کہ اکثر اعلی درجہ کی نظمیں شعراے دہلی وغیرہ کی سنائی جاچکی تھیں اور چھوٹی کی صرف دو باقی رہی تھیں۔ ہم سب کو حضرت آغا شاعر قبلہ کے بلا اطلاع شب کو ہی دہلی واپس چلے جانیکا افسوس ہوا لیکن بعد کو آنجناب کی تحریر سے معلوم ہوا کہ آپ خیمہ کی سردی کے متحمل نہ ہو سکے اور بہ نظر احتیاط آپ تشریف لے گئے۔ آپکی لاجواب نظم اصل مشاعرہ میں پڑھی جاچکی تھی بہر حال یہ معذرت اس لیے کی گئی کہ احتمال ہے کہ غیر محدود مصروفیتوں کا لحاظ فرماتے ہوئے جن حضرات کو کچھ تکلیف ہوئی وہ ارکان سوسائٹی کو اپنے کرم سے معاف فرمائینگے اور کالج کے ان خدام سخن پر بیشتر نظر عنایت رکھائینگے۔

دوسری معذرت اس گلدستہ کے دیر میں شایع ہونے کی ہے اسکی وجہ یہ ہوئی کہ وقت پر بہت سی غزلیں اور نظمیں نہ ملیں مشکل ایک مہینہ میں خط و کتابت کے بعد فراہم کی گئیں ماسوا اسکے یہ خواہش کی گئی کہ تمام شعراے باکمال کے فوٹو گلدستہ کے ساتھ شایع کیے جاوین جو اس مشاعرہ میں شریک ہوے لیکن کچھ دن ایسے کے جنمیں حضرت اصغر گونڈوی کا ایکسیڈنٹ بھی آگیا تھا اور فوٹو موصول نہ ہوسکے اور اس لیے خاص انتظام طباعت کا خیال بھی جاتا رہا اور معمولی طور پر بقاے کلام کی خاطر یہ رسالہ چھاپ دیا گیا جسکی بابت میں خود معترف ہوں کہ وہ ہر حیثیت سے گرا ہوا ہے جیسا ہونا چاہیے تھا۔ اسکی تدوین اور طباعت میں میرے عزیز ترین شاگرد رشید مسٹر شبیر احمد علوی بی۔ اے کی امداد شامل ہے جنکی سعی سے وہ معرض طبع میں آگیا حالانکہ پیشتر وہ سکریٹری سوسائٹی کا تھا۔ جنکے کالج سے بعد کامیابی امتحان چلے جانے سے وہ تعویق میں پڑا رہا۔ نیز میں بدل ممنون ہوں جناب مولوی انوار حسن صاحب نیر خلف الرشید جناب محسن صاحب کاکوروی مرحوم کا جنھوں نے تکلیف فرماکر مسودہ کی صحت میں مدد دی۔ تمہید ختم کرنے سے پہلے میں ناشکر گذار

ہونگا اگر جناب مُظہر علی متقی صاحب جج سی پی کا شکریہ نہ ادا کروں جنہوں نے حضرت ساغر کی نظم سے متاثر ہو کر از راہ قدر دانی صد رُ نقد طباعت گلدستہ کے لیے عطا فرمائے اور جناب وصل صاحب بلگرامی نے اسکو اپنے صرف سے چھاپ دینے کا وعدہ فرمایا گو اس تھوڑے سے کام کے لیے جناب ممدوح کو تکلیف نہیں دی گئی۔

انعامات۔ طلباے کالج کے لیے دو تمغہ طلائی مشتہر کیے گئے تھے چنانچہ غزل برطرح میں جناب بیخود صاحب اور نظم کے لیے جناب انیس الدین صاحب رضوی کامیاب ہوئے۔

پروفیسر قاضی محمد جلال الدین جلال
پریسیڈنٹ پولیٹکل سوسائٹی مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

التماس یونیورسٹی کے مشاعروں میں ظاہر ہے کہ صدہا نوجوان گریجویٹ اور انڈر گریجویٹ اور اساتذہ ذی علم وفن سامعین کی حیثیت میں رونق افروز ہوتے ہیں اسلیے شعراے اطراف ہند کو ان سے بہتر سخن شناس اور تحسین کنندہ اور جلسوں میں یکجا میسر نہیں ہو سکتے لہذا گذارش ہے کہ مشاعروں کے مواقع پر ہماری دعوت بطیب خاطر قبول فرمائی جایا کرے تاکہ تازہ کلام سے انگریزی خوان جماعت کی اردو کے ساتھ دلبستگی قائم رہے۔

(۲) بڑے جلسوں میں بلند آواز سے نہ پڑھ سکنا جلسے کے سکون پر اثر پذیر ہوتا ہے اور اچھے سے اچھا کلام بلندی سے پستی کی طرف مائل ہو کر اس تحسین اور داد لینے سے محروم ہو جاتا ہے جسکا در اصل وہ مستحق تھا۔ اس لیے اگر پست آواز شعراء کسی دوسرے خوش آواز سے پڑھوالیں تو زیادہ مناسب ہوگا۔

(۳) فی زمانہ مشاعروں میں لحن سے پڑھنے کا رواج ہو چلا ہے اس لیے وہ حضرات جو تحت لفظ پڑھنے کے عادی ہیں ناقص ترنم کی کوشش میں ناکامیاب رہتے ہیں اور جلسہ میں مضحکانہ تحسین و آفرین کی صدائیں بلند ہونے کے باعث ہو جاتے ہیں ایسے حضرات کو تحت لفظ کے طریقہ پر قائم رہنا ضروری ہے۔

چنانچہ اس مشاعرہ عظیم میں ان امور کا ناگوار تجربہ ہو چکا ہے۔ جن حضرات کا لہجہ

خوش آہنگ اور آواز بلند بھی انھوں نے چھ ہزار سامعین کو کامل سکوت میں رکھا۔

ایڈریس جناب قاضی جلال الدین صاحب جلال پریسیڈنٹ یونیورسٹی پولٹیکل سوسائٹی علیگڈھ

حضرات اشراف گرامی موجودہ دور تمدن نے حیات انسانی کی نسبت جو زاویہ نگاہ پیدا کر دیا ہے اور جس طرح لوگ ہر چیز کو اقتصادی نقطۂ نظر سے دیکھنے کے خوگر ہو رہے ہیں اسکی بنا پر کسی یونیورسٹی سے شعرا کے نغمہ ہاے رنگین پر صداے لبیک بلند ہونا ممکن ہے کہ بعض حضرات کے لیے موجب استعجاب ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ یونیورسٹیاں اگر صحیح معنوں میں مرکز علمی ہیں تو ان سے زیادہ شعریت صحیحہ کی قدر شناسی کا استحقاق اور کس کو ہو سکتا ہے خصوصاً قومی یونیورسٹیاں اگر قومی شاعری کی ہمت افزائی نہ کریں تو سکوت سخن شناس کے مجرم ہوں گی۔ تاریخ السنہ کا ایک طفل دبستان بھی اس نکتہ سے بے خبر نہیں ہے کہ زبانوں کی تدریجی ترقی اور ادبیات کا نشو و نما ہر زمانہ میں شعرا کا رہین منت رہا ہے ایک شاعر اپنے ذوق صحیح کے فیض سے اولاً مروجہ ذخیرہ الفاظ میں سے صرف وہ الفاظ انتخاب کرتا ہے جن میں زندہ رہنے کی صلاحیت ہوتی ہے اس طرح پر اصلاح زبان کا اہم ترین فرض خود بخود ادا ہوتا رہتا ہے۔ ثانیاً جدید ترکیبوں کی ایجاد اور تشبیہات و استعارات کی صنعت گری سے خود ذخیرہ زبان میں اضافہ کرتا ہے اور شعر کی موسیقی ان ترکیبات جدیدہ کو مقبول زبان بنا کر بقاے دوام کی روح انمیں پھونک دیتی ہے غرضکہ ذوق شاعری کی بدولت علم و ادب کی بہترین خدمت بلا کسی معاوضہ اور صلہ کے انجام پاتی رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ دنیا کی ہر زبان میں نثر سے پہلے نظم عالم وجود میں آئی اور ہماری زبان اردو تو سرتاپا ہمارے شعرا کی تخلیق ہے افادیت شعر کا ایک اور لطیف پہلو بھی ہے جسکی بنا پر یونیورسٹیوں کا

کی جماعتِ علمی کیلئے شاعری، اگرچہ یہ محض ذخیرۂ معلومات کی فراہمی نہیں بلکہ دل و دماغ میں ایک استعدادِ علمی اور
ذوق و لطافت پیدا کر دینا تعلیم کا اصلی نصب العین ہے فلسفہ اور طبیعیات کے خشک مسائل میں دماغ
پاشی کے بعد کسی معتدل مفرح کی ضرورت ہے جو دل و دماغ میں ایک قسم کی شادابی و نشاط
پیدا کرے اور اپنی تراوت اور ترنم آہنگی سے یبوستِ فلسفیانہ کا ازالہ کر سکے یہی وجہ ہے کہ
کالجوں میں علمی محفل کے پہلو بہ پہلو بزم مشاعرہ کا قیام بھی اعتدالِ مذاق کیلئے لازمی سمجھا گیا ہے
اور اب اکثر کالجوں میں سالانہ مشاعرہ کا رواج ہو چلا ہے لیکن دارالعلوم علیگڑھ نے اپنی
ابتدائے وجود سے اب تک بقدرِ امکان شاعری سے اعتنا کی اور ایک حد تک اردو شعر کی طرح
اردو شاعری کے نشاطِ ثانیہ بھی اس تحریکِ زریں کا نتیجہ ہے جو علوم اسلامیہ کی احیا اور
ادب اردو کے تجدید کیلئے شروع ہوئی اور اسکے نقاب کار کی بدولت عالم وجود میں
آئی اور آپ جسکو اب مسلم یونیورسٹی کی صورت میں جلوہ گر دیکھ رہے ہیں۔

حضرات والا۔ اس کالج کے اساتذہ میں مولانا حالی، مولانا شبلی مرحوم اور مولانا حبیب الرحمن
شروانی اور طلبا میں چودھری محمد علی [illegible] صاحب، مولانا ظفر علی، مولانا حسرت موہانی، جناب فانی اور
سہیل دنیائے شاعری میں کافی طور پر روشناس ہیں انجمن [illegible] ایک قدیم دلچسپ انجمن ہے
جو اب تک بفضلہ قائم ہے۔ ان سب مساعی سے بالاتر تحریکِ علیگڑھ نے خود نفسِ شاعری پر بہت
بڑا احسان کیا ہے کہ مذاقِ شاعری کو بالکل بدل دیا ہے مبتذل و رسمی عاشقانہ شاعری کے بجائے فلسفیانہ
اور اخلاقی شاعری کا رنگ نیا اردو میں سب سے پہلے علیگڑھ نے چڑھایا اور اب تو یہ مذاقِ سخن بالکل عام ہو چکا
ہے بہرحال اس سلسلہ میں علیگڑھ کی خدمات محض ضمنی اور تبعی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ آپ حضرات نے
شائع سخن کے اس کسادِ بازاری میں [illegible] بے نیازانہ ایثار کے ساتھ علم و ادب کی
خدمت میں اپنی عمرِ گرامی کا عزیز ترین حصہ صرف کیا ہے وہ ہماری تحسین و تشکر [illegible] اور اسی [illegible] کے ساتھ
پر آپ نے جس محبت کے ساتھ ہماری معروضات کو شرفِ قبول بخشا اور ہماری دعوت [illegible] افزائی اسکی
نسبت اظہارِ تشکر و سپاسگذاری کیلئے ہمیں الفاظ نہیں ملتے [illegible] اس یونیورسٹی کے تمام ارکان
و اساتذہ اور طلبا آپ کی طرف سے یہ خوشگوار [illegible] اور دوش [illegible] اپنے ذمہ لیا ہے کہ آپ حضرات
ذرہ نوازی کا اظہار سپاس کریں [illegible] علمی [illegible]
[illegible]
جو اردو ادب کے متعلق [illegible] مستغنی ہے اور تعارف [illegible]

اجلاسِ اوّل

منظومات

مصرعِ طرح

علی گڑھ علم اور اخلاقِ اسلامی کا مخزن ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"صدائے جوبلی"

حضرت شاہ حافظ علی حسن صاحب احسن مارہروی، اُردو لیکچرار انٹرمیڈیٹ کالج
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

اب سے اکاون برس پہلے جو محوِ خواب تھے
غفلت و کم ہمتی کے بے شمار ارباب تھے!
ایک دو کیسے ہزاروں اُن میں شیخ و شاب تھے
اہلِ ہوش، اہلِ خرد کمیاب کیا نایاب تھے!

انقلابِ وقت گو شام و سحر ہوتے رہے
خفتگانِ بخت لیکن رات دن سوتے رہے

اہلِ غفلت کا یہ عالم تھا ادھر لیل و نہار!
غافلانِ بے خبر کا دیکھ کر یہ حالِ زار!
اور اُدھر اخوانِ ہمسایہ میں تھے سب ہوشیار
سیّدُ القوم ایک خادم ہو رہا تھا بیقرار

بیقراری اِس کی تسکین بخشِ عالم ہوگئی!
دل کی دھڑکن ضامنِ انفاسِ آدم ہوگئی!

جھونپڑوں میں خواب محلوں کے نظر آنے لگے
گھر سے اُٹھ کر سوئے میدانِ عمل جانے لگے
اور اُن خوابوں کی تعبیریں بھی ہم پانے لگے
رازِ ہستی کے معموں کو بھی سلجھانے لگے

رہنما اپنا بنایا خضرِ عقل و فہم کو!
نقشِ باطل جان کر توڑا طلسمِ وہم کو!

ہو چکی بیداری و غفلت میں جب رد و بدل!
یعنی انسانی فضیلت کا یہی ہے ماحصل!
پیکرِ تخئیل نے پہنا یہ ملبوسِ عمل!
عقل کی تکمیل میں تعلیم ہو دست و بغل!

بے تعلم کے مکمل آدمی بنتا نہیں!

کرکرا آنار ہا کرتا ہے جب چھنتا نہیں!

جب تک اسلامی حکومت میں رہا ہندوستاں   علم و حکمت کے رہے چشمے نئے رخ پر رواں!
بن کے محکوم اب وہ صورت اور حالت ہو کہاں   ہو گئیں پابندیوں میں منتقل مختاریاں!

انقلاب اب تک جو کچھ حسب مشیت ہو گیا
اپنی حالت کے تغیر کی بدولت ہو گیا!

ہر زمانے کی ضروریات ہوتی ہیں جدا!   اور ہر حالت کا ہوتا ہے خصوصی اقتضا!
حاکم و محکوم میں باہم تفاوت ہے بڑا   ہے زبردست ایک زیردست انہیں دوسرا!

پست کو بالا بنانا علم ہی کا کام ہے!
اور یہی وہ کام ہے جس کا ترقی نام ہے!

تھی یہی پستی نمایاں صورت سطح بلند!   اور پھر ساعت بہ ساعت ہوتی جاتی تھی دو چند
دیکھ کر یہ آخر اٹھا اک بزرگ دردمند!   کر دیا اپنے لئے راحت کے دروازوں کو بند

صرف یوں خدمات قومی میں کیا اوقات کو
دن کو دن سمجھا نہ اس نے رات سمجھا رات کو

کی علی گڑھ میں مفید وقت قائم درس گاہ!   اس سے بہتر اور ہو سکتی تھی کیا قومی رفاہ
تا در مقصد پہنچنے کی تھی پیشا ہر راہ!   علم ہی سے آدمی اشرف ہوا بے اشتباہ

علم الاسماء ہے پہلا سبق انسان کا!
اور اقرأ باسم ربک حکم ہے قرآن کا!

آج سے آدھی صدی پہلے کا یہ احوال ہے   واقعات چند کی تفصیل بالاجمال ہے!
جس زمیں پر جشن جبلی کی نمود امسال ہو!   یونین ہے جس جگہ یا اسٹریچی ہال ہے

تھے یہیں وہ جھونپڑے محلوں کے دیکھے تھیں خواب
اب دکھاتا ہے وہاں محلوں کو وقتی انقلاب

جس زمین پر آسماں منزل کا ملتا ہے پتا!   کی گئی تھی چند کھپریلوں سے اس کی ابتدا
پا لیا فکر رسا نے جلد بام ارتقا!   فرش قالیں بچھ گیا اٹھی بساط بوریا!

پڑ گئی ہندوستاں سے تا بہ یورپ اس کی دھوم
ملک بھر میں ہے یہی مسلم کا اک دار العلوم

حاکم و محکوم میں تھی اجنبیت جس قدر! — مٹ گئی کالج کے قائم ہوتے ہی وہ سربسر
ملکے رائی اور رعایا ہو گئے شیر و شکر — اور ہوئے راز سیاست ہی سے کیا ہم باخبر

جس قدر ذہنی، طبعی یا سیاسی ہیں علوم
سب کی ترویج ایک اسی کالج نے کی ہے بالعموم

ملک میں سب تھے، کوئی پرہیزگر کوئی فیاض تھا — کوئی زاہد تھا، کوئی صوفی کوئی مرتاض تھا
قوم کے دکھ درد سے ہر شخص کو اغماض تھا — ایک سیّد تھا مگر، جو وقت کا نباض تھا

پا گئی جس وقت وجہ سقم فکرِ مستقیم!
پھر نہ تھا نباض کو مشکل مداوائے سقیم

قوم کے امراض کی تشریح ہو کیا کیا رقم! — ہر رگ و پے میں فساد خون نے پھیلایا تھا سم
عضو تھا ایسا نہ کوئی سر سے لیکر تا قدم! — جس میں افزائش نہ داغ تازہ کی تھی دمبدم

ہو گیا سیّد کی طبع نکتہ رس پر یہ عیاں
جہل کے پردے میں سب امراض مزمن ہیں نہاں

ان کا دفعیہ بجز تعلیم ممکن ہی نہ تھا! — ہر مرض مہلک بھی تھا قسمت سے مزمن بھی تھا
غمگساری کون کرتا کوئی ضامن ہی نہ تھا! — حال ظاہر بھی تھا ابتر صاف باطن ہی نہ تھا

تھا مجرّد علم اس جہل مرکب کا علاج
روح پرور جس کی تاثیریں نظر آتی ہیں آج

عصر حاضر میں مروّج جس قدر ہیں علم و فن! — جن سے ہیں آگاہ و واقف آج اکثر مرد و زن
ہوتے ہیں اذکار جن کے انجمن در انجمن! — کیا نہیں اس ابتدا کی یہ حقیقت من و عن

ہم مسلمانوں میں یہ احساس کب پیدا ہوا؟
دردمند قوم سید سا جب پیدا ہوا

صوبۂ پنجاب ہو یا سرحد و بنگال ہو — بمبئی، مدارس ہو، سی۔پی ہو یا بھوپال ہو
مالوہ ہو راجپوتانہ ہو یا نیپال ہو — اور ان سب کے سوا جو ملک بھی فی الحال ہو

ہر جگہ ہر سمت ہر جانب علی گڑھ کا ہے نام
ہے ضیا دنیا میں اس کی صورت ماہِ تمام

تھے مسلماں اس سے پہلے بھی مگر ایسے نہ تھے — رائج الوقت اُن کی جیبوں میں کھرے پیسے نہ تھے

بتایا جائے وہ کیسے تھے اور کیسے نہ تھے
رائج الوقت اُن کی جیبوں میں کھرے پیسے نہ تھے

سیم وزر کے ٹکڑے سکوں کی طرح چلتے نہیں
آ کے جب تک وہ کسی ٹکسال میں ڈھلتے نہیں

علوم وقت کی ٹکسال یہ دار العلوم
رائج الوقت اس کے سکے ہیں کھری اس کی رقوم
پھر یہ بھی خصوصیت ہے اس کی بالعموم!
مذہب اسلام کی جتنی اصولی ہیں رسوم

اُن کی پابندی بھی حتی الوسع صبح وشام ہو
بادۂ عرفاں سے لبریز اپنا ایک اک جام ہے

قصہ کوتاہ دیکھتے ہیں آج جتنے کاروبار!
خدمت پنجاہ سالہ میں ہے ان سب کا شمار
پار سال ہسال سے پہلے یہ تعمیری حصار
نام سے کالج کے تھا مشہور امصار و دیار

جدوکد میں قوم اپنی گو بہت بکھسر مٹی
لیکن آخر کر لیا کالج کو یونی ورسٹی

اس کی حالت پر عنایت کی نظر فرمائیے
ہے تعجب اب اگر کچھ درگزر فرمائیے
بے تامل کہئے بے خوف وخطر فرمائیے
چپ نہ رہئے کچھ نہ کچھ اس عرض پر فرمائیے

آپ کے دستِ کرم سے کچھ اگر مل جائے گا
قوم کو نخل تمنا کا ثمر مل جائے گا!

آپ سے عالی ارادہ، آپ سے عالی دماغ
ہیں انھیں نام آوران قوم کے چشم وچراغ
کوہ وصحرا فیضِ جاری سے ہیں جنکے باغ باغ
مستحق مرہم کے ہیں ہم دل فگاروں کے بھی داغ

سوزِ پنہاں کے اثر سے مضطرو بیتاب ہیں
دامنِ ساحل میں رہکر ماہیِ بے آب ہیں

بانیِ کالج کا منشائے دلی معلوم ہے
مختصر جس کا یہی مطلب یہی مفہوم ہے
علم دنیا سے جو قوم اس عہد میں محروم ہو
آج اگر موجود بھی ہے وہ تو کالمعدوم ہے

زندگی کا مقصدِ واحد ہے علم باعمل!
اس سے غافل ہے تو انساں ہو ذلیل ومبتذل!

اب زیادہ طول دینے کی ہمیں حاجت نہیں
کون ہو اس بزم میں جو واقفِ حالت نہیں
یہ ہو یونی ورسٹی اسکول کی صورت نہیں
اور کالج کی طرح محدود حیثیت نہیں

تکملہ ہر علم و فن کا اس میں ہونا چاہیئے!
پانوں پھیلا کر نہ غافل ہم کو سونا چاہیئے!

تکملے کے واسطے زر کی بچھا ور چاہیئے
جمع یہ قطرے جہاں ہوں وہ سمندر چاہیئے

طالبانِ علم کے آرام کو گھر چاہیئے
مختصر یہ ہے کہ ایسا ہم کو یاور چاہیئے!

جس کے دل میں درد ہو جو قوم کا غم خوار ہو
اور جس کی ناخدائی سے یہ بیڑا پار ہو

اجتماعِ قوم سے کچھ نفع حاصل کیجئے
نقص جتنے رہ گئے ہوں ان کو کامل کیجئے

اس کو تفریحاتِ وقتی میں نہ شامل کیجئے
حق کو ثابت کیجئے باطل کو زائل کیجئے

اٹھئے لے کر جائزہ پنجاہ سالہ کام کا
ہے یہی مقصود اس آغازِ نیک انجام کا

جناب ایوب احمد صاحب آثم قادری۔ بی اے ایل ایل بی (علیگ)
وکیل ہائی کورٹ سابق معتمد اعزازی انجمن ہذا سہارن پور

یہ خطہ وہ ہے جو ہندوستاں میں سب سے احسن ہے
نگیں ہائے کمال و شوکتِ ملّی کا معدن ہے

کہ ہر ہر ذرہ اس کا فخرِ علم و نازشِ فن ہے
عجب کیا گر مرا ہر ہر بُنِ مو یوں نوا زن ہے

علی گڑھ میرا دل ہے میری جاں ہے میرا تن من ہے

اسی کی خاک رشکِ صد شعاعِ مہر روشن ہے
عدو کے بد نظر کے حق میں یہ دیوار آہن ہے

اسی کی طرح میں رطب اللساں ہر برگ سوسن ہے
یہی تو طائرِ تسکینِ خاطر کا نشیمن ہے

یہی نور و حِ رازِ مسلمِ ہندی کا مامن ہے

کسی میں بھی نہیں وہ۔ اسمیں جو خوبی ہے جوبن ہے
سہاگ افزوں ہے جسکا روز مرّہ یہ وہ دلہن ہے

ہر اک شاخ اس چمن کی لالہ رُخ ہے سرو گردن ہے
پُر از گل ہائے صد برگِ ترقی اس کا دامن ہے

نہیں ملتا خزاں کو بار جس میں یہ وہ گلشن ہے

جو شوکت ہے کچھ اسکی۔ ہے جوانانِ علی گڑھ سے
اجالا اس میں ہے ماہِ درخشانِ علی گڑھ سے

جو کچھ جنبش ہے اس کے تن میں ہے جانِ علیگڑھ سے
اسے زینت ہوئی ہے نونہالانِ علی گڑھ سے

وہ ارضِ ہند جو اک دشت تھی کل۔ آج گلشن ہے

یہ وہ ہے۔ سامنے جس کے نہ سحرِ سامری آئے — کہ جامِ جم بھی آ گرے کے بے بال و پری آئے
تصدق ہو وہ خود۔ گر شانِ عہدِ اکبری آئے — مقابل اس کے گر آئینہ اسکندری آئے

تو وہ بھی ماند پڑ جائے کہ یہ سید[1] کا دین ہے

بقا کیونکر نہ ہو اس کو۔ خدا خود اس کا ہو حامی — ہے عنبر بار اک عالم میں اسکی بوئے خوش نامی
نہیں چھوڑی یہ قدرت نے اس کے فضل میں خامی — نظر آتا ہے اسمیں جلوۂ توحید اسلامی

علی گڈھ فی الحقیقت خاکہ وادیٔ ایمن ہے

گئے وہ دن مصیبت کی گھٹا جب سر پہ تھی چھائی — ہوئی اسد رجہ رحمت۔ غم کے پربت ہو گئے رائی
نسیمِ فیضِ سید مژدۂ جاں بخش یہ لائی — شبِ تارِ جہالت نے ہزیمت آخرش پائی

مبارک! نورِ فتحِ علم کا اب روز روشن ہے

اسی کے زور پر ہے اب بھی باقی غیرتِ قومی — اسی کی وجہ سے نکلی ہے کچھ کچھ حسرتِ قومی
اسی کے بل پہ ہے قائم ابھی تک ہمتِ قومی — اسی پر ہے مدارِ عز و جاہ و سطوتِ قومی
ہوا یہ دن نصیب اس کو ہزاروں آفتیں پاکر — چڑھا پروان اب یہ مدتوں لختِ جگر کھاکر
ہے اب اقبال اس کی بارگاہِ عیش کا چاکر — تمنائیں نہ جب پھولی سمائیں اس بر آکر

قفس کو توڑ کر بوئے گل دل چاک دامن ہے

پئے تخریب اٹھا جب چرخِ نیلی کا قلم لرزا — جو دیکھی اس کی خوش بختی تو خود اس کا الم لرزا
نہ ایک لمحہ کو اسکی شانِ ایماں کا علم لرزا — نہ اس کا بادِ صد طوفاں کے جھونکوں سے قدم لرزا

خدا کا فضل اس کے سر پہ ایسا سایہ افگن ہے

یہ صنوبر شمع[2] روئی پائی ہے زیرِ فلک کس نے — وہ پروانہ اسی کا ہو گیا۔ کی اک نظر جس نے
اسی کے دم سے پائی روح جسمِ قومِ بے حس نے — جبینِ ارضِ ہندی کو لگائے چار چاند اس نے

کہ یہ محمود[3] و زین[4] و محسن[5] و سید کا مدفن ہے

مٹانا چاہتے تھے کچھ ہمارے مہرباں[6] وہ ستم — کہ ہم خود صفحۂ ہستی سے مٹ جاتے کہاں کا غم

....

۱؎ مراد بہ سرسید علیہ الرحمۃ۔ ۲؎ مراد بہ پچاس سالہ عمر جامعہ۔ ۳؎ مراد بہ سید محمود مرحوم۔ ۴؎ مراد بہ سید زین العابدین مرحوم۔ ۵؎ مراد بہ محسن الملک مرحوم۔ ۶؎ مراد بہ ایسے اصحاب جو کہ تعلیم انگریزی کو کفر تصور کرتے تھے ۱۲

کبھی کا ہو لیا ہوتا ہمارا ہند میں ماتم — بنا اس جامعہ کی گر نہ پڑتی دیکھتے اب ہم
بہ دست غیر کس بیچارگی میں اپنی گردن ہے

ہوا گر سال ہشتم میں ترا اب کے گذر آثم — مگر باقی ہے اب بھی اس جگہ تیرا اثر آثم
تمنا ہے کہ کل مجھ سے سنیں یار دگر آثم — بچشم دوست گریہ نظم ہے نور نظر آثم
تو مثل نار وجہ التہاب قلب دشمن ہے

جناب محمد بشیر الدین صاحب افسر اورنگ آبادی تلمیذ نواب فصیح الملک بہادر داغ مرحوم دہلوی

کسی کے جذب نے کھینچا دکن سے ہم کو بھی آخر — کہاں یہ جشن! اور ہم تھے کہاں یہ لطف انجمن ہے
علی گڑھ بن گیا ہے کیسے گل بوٹوں کا گلدستہ — حسد ہے آسماں کو یہ زمین اب رشک گلشن ہے
ذخیرہ علم و فن کا ہے فراہم اس جگہ کیسا — علوم مغربی و مشرقی دونوں کا خرمن ہے
یہیں تو پھولتے پھلتے ہیں سارے نونہال اپنے — ترو تازہ انھیں سے قوم کا ملت کا گلشن ہے
مبارک ہو مسلمانو یہ جشن جوبلی تم کو!! — گل مقصود سے ہر شخص کا بھرپور دامن ہے
نشانی ہے یہ سید کی در و دیوار کہتے ہیں ۶ — زیارت کیجیے چل کر اسی گوشہ میں مدفن ہے

جناب محمد اقبال خاں صاحب اقبال طالب علم علیگڑھی

ہماری رات دن یہ ہی دعا فریاد و شیون ہے — خدا غارت کرے اس کو کہ جو کالج کا دشمن ہے
ہر اک لڑکا پہنتا ہے لباس لندن و ٹرکی! — عجب ہے شان کالج کی عجب اُن کی پوزیشن ہے
مقابل آئے جس کو ناز ہو علم ریاضی پر — پرنسپل کا ہمارے اس میں ہر جا نام روشن ہے
کسی نے خوب یہ مصرعہ کہا ہے شک نہیں اس میں — علی گڑھ علم اور اخلاق اسلامی کا مخزن ہے
یہ فیشن تجھ کو جو مرغوب ہے ان چاند تاروں کا — اسی باعث تری عزت ہے تیرا نام روشن ہے

---

۵ شاعر شروع ۱۹۱۱ء میں بعد فراغت تعلیم کالج چھوڑ چکا تھا اور اس کے بعد پہلی مرتبہ جوبلی کے مشاعرہ میں شریک ہوا اس کی طرف اشارہ ہے۔ ۶ اس مشاعرہ کی غزل سے مراد ہے جو کہ اس مشاعرہ کے دوسرے دن ۲۷ کو منعقد ہوا

جناب سید بشیر احمد صاحب بشیر

کلام حق کو جو مسلم سمجھتا اپنا لیڈر ہو — خدا کی اور محمد کی کمیٹی کا وہ ممبر ہو
نبی کے پوسٹ آفس میں خدا کی ڈاک آتی ہے — نہ کیوں جبریل ہرکارہ ہو جب قرآں کا لیٹر ہو
ویڈ ٹیکیٹو دو فرشتہ رلوئسٹر نیکی بدی کے ہیں — برابر ان کے کب دنیا میں کوئی انسپکٹر ہو
بھلا بندوں کو کیا غم امت عاصی کو کیا خطرہ — خدا سا امیر رہو جب محمد سا منسٹر ہو
صراط حشر کے پل سے گزرنا اسکو کیا مشکل — شریعت روڈ پر جس کی چلی دنیا میں موٹر ہو
بڑا ارجمنٹ کا دن ہے وہاں پر روز محشر کے — مدد ہو اور نہ فادر ہو برادر ہو نہ سسٹر ہو

خواب دوشینہ

جناب سید انیس اللہ بن احمد صاحب انیس رضوی امروہوی بی۔ اے آنرز

(علیگ) مسلم یونی ورسٹی علیگڑھ

بند اوّل

ایک شب محوِ خیالِ صحبتِ دوشینہ تھا — میرا دل تاریخِ عہدِ رفتہ کا آئینہ تھا
کھنچ رہا تھا سامنے دورِ گزشتہ کا سماں — آرہا تھا یاد مجھکو وہ عرب کا آشیاں
پیش تھا آنکھوں کے منظر سرورِ دربار کا — دیکھتا تھا میں تماشا خُلق کا ایثار کا
بڑھ رہا تھا چار سو جذبۂ دینِ متیں — اور ملائک دے رہے تھے مژدۂ فتحِ مبیں
اک طرف پہنچی تھیں گو نہرِ غزونہ پر حدود — اس طرف دریائے طارم تک کیا ہمنے صعود
ہند اک گوشہ ہماری کشورستانی میں تھا — اور اُدھر صحرائے اعظم اپنی نگرانی میں تھا
الغرض سارا جہاں ہمسے جلا پانے لگا — پرچمِ توحید چاروں سمت لہرانے لگا

گشت حاکم بر ممالک کالک گوہر زائے ما
بود نگرانِ دو عالم چشمِ شب پیمائے ما

بند دوم

رزم سے پھر بزم کی جانب جو دل مائل ہوئی — عہدِ ماضی کے خزانے علم کے حاصل ہوئی

دفن تھیں سب حکمتیں ایران اور یونان کی — تھی ریاضی دورِ تاریکی میں ہندوستان کی
مٹ رہا تھا نام سقراط اور افلاطون کا — داغ تھا دنیا پہ ان کے فلسفہ کے خون کا
تازہ پھر مسلم نے کی عہدِ کہن کی داستاں — پھر لگایا علم و حکمت کی کتابوں کا نشاں
یاد مسلم کو جو قولِ اطلب العلم آگیا — وہ دلِ شوریدہ کو سرتا بہ پا گرما گیا!
زندگی غازی کی پھر تحصیلِ عرفان پر مٹی — بن گئی ہر شہر میں ایک ایک یونیورسٹی
یثرب و بغداد و غرناطہ، دمشق و قرطبہ — ....
خوشہ چیں اس باغ کے محسودِ عالم بن گئے — جن سے ارکانِ خلافت اور محکم بن گئے
حجۃ الاسلام و سینا، ابن رشد و بوہذیل! — جامی و رومی و فارابی، نظامی و طفیل
یہ انھیں انہارِ علم و فضل سے سیراب تھے — یہ اسی رودادِ عز و جاہ کے کچھ باب تھے
ان سے تاباں مذہبِ اسلام کا جلوہ ہوا! — بوسہ گاہِ پادشاہاں ان کا نقشِ پا ہوا!
جس کسی کو ان کے در کی ناصیہ سائی ملی — اس کو صد کشور کی گویا مسند آرائی ملی

مور ما از فیضِ حکمت شد سلیمانِ زمن
گشت یک طفلک ز ما ہمسر بہ سلطانِ زمن

بندِ سوم

آسماں نے پھر جو رُخ بدلا ستانے کے لئے — کر دیئے ساماں فراہم سب مٹانے کے لئے
پیس ڈالا رفتہ رفتہ گردشِ ایام نے! — خوب گھس گھس کر مٹایا چرخِ نیلی فام نے
آخرش انوارِ یزداں پر اندھیرا چھا گیا — ہائے اس خورشیدِ بے ہمتا پہ بادل آگیا
کھنچ گیا پھر سامنے دورِ جہالت کا سماں — کھو دیا سب کام آخر اپنی غفلت نے یہاں
رہ گیا ازہر کا باقی ٹمٹماتا سا چراغ — صفحۂ تاریک پر جیسے کہ اک پرنور داغ
ماسوا سب نے چکھا یک قطرۂ آبِ فنا — رفتہ رفتہ سب نظامِ علم برہم ہو گیا
کارواں بے راہ تھا پھر وادی و کہسار میں — پھر خزاں کا دور تھا پھولے پھلے گلزار میں
قیسِ عامر نجد کے جنگل سے پھر بیگانہ تھا — خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا
پڑ رہی تھی ہر طرف اک یاس و حسرت کی نظر — ڈھونڈھتا تھا میں کہ کچھ تو اپنی مل جائے خبر
ہو رہا تھا سردیِ محفل سے سینہ پاش پاش — آ رہی تھی ہر طرف سے یہ صدائے دل خراش

محوِ ظلمت شوکتِ غرناطہ و بغداد شد

حیف آں ایوانِ تعلیم و حکم برباد شد

بند چہارم

دفعتاً پھر کر جو دیکھا دینِ ناکام نے — دیکھتے کیا ہیں علی گڑھ کی فضا ہے سامنے
آفتاب علم کی ہر سو ضیا پھیلی ہوئی — اور اک مسحور کن گویا فضا پھیلی ہوئی
وہ عبادت گاہِ باری وہ عظیم الشان ہال — جن کی ہر ہر اینٹ سے پیدا ہے شانِ ذوالجلال
وہ کتب گاہِ لٹن، وہ بارگاہِ آسماں — وہ منازل جن سے ہر مشتاق اور ہک کا نشان
کوششوں کا سیدِ مرحوم کی ثمرہ ہے یہ — محسن و مشتاق کی امید کا خاکہ ہے یہ
ہے ادھر محوِ دعا حضرتؒ کی روح پُر فتوح — دوسری جانب تبسم ریز ہے سید کی روح
مچ رہی ہے مشرق سے تا غرب یہ دنیا میں دھوم — ہے علی گڑھ آج کل ماوائے اخلاق و علوم
یثرب و بغداد کی واحد نشانی ہے یہی — قاہرہ اور قرطبہ کا آج ثانی ہے یہی
اس سے پھر جاری فیوضِ علم کا چشمہ ہوا — یاں سے پھر پرتو فگن اسلام کا لمعہ ہوا!
پھر نظر آئی مسلمانوں کو صراطِ مستقیم — پھر دل و جاں کو معنبر کر گئی بادِ نسیم!
پھر وہی علمی شرارہ قلب کو تڑپا گیا — پھر مسلمانوں کو وہ بھولا سبق یاد آ گیا
مل گیا مسلم کو گنجِ بے بہا کھویا ہوا — جادہ پیما پھر ہوا وہ کارواں بھٹکا ہوا!
نجد کی وادی میں پھر جوشِ جنوں کا طور ہے — پھر انہیں عشاقِ علم و معرفت کا دور ہے!
مژدہ اے رندانِ فن مطلوع شد صبحِ بہار — شد جہانِ علم از فیضِ علیگڑھ آشکار

خیز کیں جوشِ بہاران و لولہ انگیز شد
باز مینائے شرابِ معرفت لبریز شد

(اس نظم پر انعام دیا گیا)

جناب قاضی جلال الدین صاحب جلالؔ - ایف - آر - جی - ایس - (لندن)

لیکچرر مسلم ہسٹری و ہسٹاریکل جیاگرفی و صدر انجمن ہذا!

خدایا عالمِ رویا ہے یا حالِ بیداری — الٰہی کیا یہ نقاشِ تخیل کی ہے گلکاری
تصور پہ مگر تصدیق کا عالم ہوا طاری — حقیقت کو توہم پر ملی ہے حکم برداری

یہ اکرام خداوندی ہے فیض کبریائی ہے
کہ جشن جوبلی میں مجتمع ساری خدائی ہے

ہے شکر ایزد باری تعالے شانہ پیہم
سسر در و شادمانی کا نہ کیوں پھر ہمہ ہو عالم

کہ اس تقریب عالی کو بنایا رشک جشن جم
ملے ارباب ہمت چار دانگ ہند کے باہم

گلستان علی گڑھ میں بہار بے خزاں آئی
بحمد اللہ نئے انداز سے با عز و شاں آئی

مبارک پیروے اسلام کو یہ جشن جوبلی ہو
مبارک اپنے خاص و عام کو یہ جشن جوبلی ہو

مسلمانوں کے کل اقوام کو یہ جشن جوبلی ہو
مبارک ملت اسلام کو یہ جشن جوبلی ہو

نہیں جوبلی یہ ہے شیرازہ بندی ساری امت کی
بہم بکھرے ہوؤں میں کرتی ہے تجدید ملت کی

زہے تقدیر ہم پنجاہ سالہ جوبلی دیکھیں
کتاب فتح باب عزت و حرمت کھلی دیکھیں

عروج قوم مسلم کے لئے قسمت ملی دیکھیں
خوشا قسمت سیہ اعمال کی تختی دھلی دیکھیں

یہی بیشک ہیں اسباب تنزل رحمت باری
ید اللہ فوق اید یہم سے واقف قوم ہو ساری

اسی جا کی تھیں سرسید نے شمعیں علم کی روشن
یہی در علم والوں کا ہے لہلاتا ہوا گلشن

اسی گھر کو بنایا ہند کا پھیلوں بھرا دامن ہے
یہی تعلیم کا حامی یہی طلاب کا مامن ہے

اسی جا سنہ میں پڑی بنیاد کالج کی ہے
یہی حسیا ہے مطب درد جہالت کے معالج کی

علی گڑھ نے لیا بندش میں اجزای پریشاں کو
فراہم کرکے علم و فن کے جملہ ساز و ساماں کو

مبدل گلستاں میں کر دیا یکسر بیاباں کو
بنایا ہند میں حساس اُس نے ہر مسلماں کو

یہی اک مرکز تعلیم و احیائے اخوت ہے
یہی سرچشمہ سیرابی گلزار ملت ہے

علی گڈھ میں رہا کچھ دن سیاسیات کا مرکز
علی گڈھ ہی رہا ہے جملہ تحریکات کا مرکز

علی گڈھ ہی رہا صرف ایک تعلیمات کا مرکز
تسلیات کا مرکز تشفیات کا مرکز ہے

یہ مرکز تھا بلا تفریق اپنے جتنے فرقے تھے

بہ ذوق دور گرداگرد اسی نقطہ کے پھرتے تھے

نسیم صبح مغرب نے کیا پھر حوصلہ پیدا
ہو پائیں باغ گھر گھر ہو گیا یہ سلسلہ پیدا
چٹک اُٹھنے کا غنچوں میں ہوا اک ولولہ پیدا
ہر اک کشتی نے بیڑے کی کیا اک ناخدا پیدا

شعائیں مٹ سکیں لیکن نہ خورشید درخشاں کی
نہ چھوٹا پائے محکم پر پرکار گرداں سے

گل گلزار کالج کی مہک پر ساری دنیا سے
نہ آئے خوشہ چیں صرف پنجاب و دوآبہ سے
گھر آئیں بلبلیں شیراز سے مسقط سے بر ہاسے
بڑھا ہے دست گلچیں کیپ و نیٹال اور ملایا سے

علی گڈھ قوم کی کوشش سے ہے مشرق کا غرناطہ
علی گڈھ علم کے بھوکوں کو ہے بے شیراں داتا

یہاں شیر و شکر ہیں مالوی و ہندی و سندھی
بنا اس باغ کی یوں بانی مرحوم نے ڈالی
برادر ہیں توام کالج میں ہر دو شیعہ و سنی
کہ اک کیاری میں ہو تاریخ سلہٹ سیب کشمیری

عراقی کابلی و کاٹھیاواری رہیں یکجا
ہے مسلم ورسٹی دنیائے اسلامی کا اک خاکہ

بہاری ہم سبق ہے حیدرآبادی دکھنی کا
مغل کو موپلے سے ہمکلامی کا نہیں کھٹکا
ملاباری کو بنگالی سے ہے تخصیص کا دعوے
بلوچی کو عرب سے اجنبیت کا نہ کچھ خطرہ

بُنیری چاٹگامی سب اسی منزل میں رہتے ہیں
علی گڈھ میں نہیں یہ سب ہمارے دل میں رہتے ہیں

یہی یونیورسٹی اک تربیت گاہ مسلماں ہے
علی گڈھ نسبت اسمی سے اب بھی حرز طفلاں ہے
یہی اک جامعہ ملجا و ماوائے غریباں ہے
یہاں تدریس دنیاوی یہاں تعلیم ایماں ہے

کہیں ہے درس تفسیر اور کہیں تجوید قرآنی
جدید حکمت کے کھلتے ہیں کبھی جار ازینہا نی

کھلے کالج بنی یونیورسٹیاں صوبے صوبے میں
پھنسے اسلام کے رہبر ہمہ گیری کے پنجے میں
ہوئی وحدت سے کثرت پڑ گیا انجام خطرے میں
ہوئیں وہ کشتیاں زیر و زبر جو ضم تھیں بیڑے میں

مگر مسلم نہ بھولا منبع فیضاں کو اپنے تو
نہ کالج سے ہٹایا لمحہ بھر بھی دھیان کو اپنے

فضائے ہند میں جذبے کے روح کس نے دوڑائی　　جمودیت مٹا کر حس ملی کس نے پھیلائی
سکوت عام کے مہر خموشی کس نے تڑوائی　　ضرورت میں مدد کرنے کی عادت کس نے ڈلوائی

علیگڈھ ہی تو اک شیرازہ ملت کا بندھن ہے
علی گڑھ علم اور اخلاق اسلامی کا مخزن ہے

کریں ہر کام ہر صوبہ میں کھولیں مدرسہ اپنے　　کریں دور اختلافی اور مٹاتے مخمصے اپنے
سیاست اور حرفت میں قدم رکھیں پھنسے اپنے　　ہر اک صوبہ کرے حل آپ ہی خود مسئلے اپنے

اکھڑنا اپنے مرکز سے ہے محشر کا بپا ہونا
قیامت نام ہے تاروں کا مرکز سے جدا ہونا

سمائے ہند پر طلبہ یہاں کے مثل اختر ہیں　　یہاں کے ساختہ پرداختہ لیڈر ہیں رہبر ہیں
حکومت کے شریک حکام اعلیٰ کے وہ ہمسر ہیں　　کلکٹر ہیں وہ جج ہیں جنٹ ہیں کونسل کے ممبر ہیں

نظام مملکت میں کچھ انھیں لوگوں کا حصہ ہے
وگرنہ عزت دنیا کا افسانہ ہے قصہ ہے

علی گڈھ اولڈ بائز کیسے خوددار و مہذب ہیں　　سلیقہ مند ہیں خوشخو ہیں خوش خلق و مؤدب ہیں
بباطن مومن صادق بظاہر گرچہ صاحب ہیں　　فدائے دین و ملت جیسے پہلے تھے وہی اب ہیں

نہ فرقہ بندی کی الجھن نہ تفریق مذاہب ہے
نہ ذاتیات کی پروا نہ نفیس معائب ہے

صبح صادق

جناب خواجہ دل محمد صاحب ایم اے

اے مسلم اے جان وفا　　اے صاحب صدق و صفا
اے عاشق خیر الورا　　اے قبلۂ اہل ہدا

رہتا ہے کیوں اتنا حزیں
دل گیریاں اچھی نہیں

فطرت کا تو مقصود ہے　　یہ بے دلی بے سود ہے

تیرا خدا موجود ہے　　لاتقنطوا پر رکھ یقیں

اے وارثِ دنیا و دیں

۲

یہ ذوقِ خواری تابکے　　غفلت شعاری تابکے

یہ اشکباری تابکے　　یہ لالہ کاری تابکے

یہ حسرتوں کا پھوٹنا

بن بن کے صورت ٹوٹنا

اے قاصدِ اُمید آ　　بن کر ہلالِ عید آ

اے حاملِ توحید آ　　کیا یاد اب تجھ کو نہیں

وہ تیری صبحِ عنبریں

۳

اسلام کا ہونا عیاں　　تھا صبحِ صادق کا سماں

وہ نور کا تختِ رواں　　کرنوں کا رنگیں کارواں

اک کیف برساتا ہوا

سینوں کو گرماتا ہوا

عرفاں کا نور اس میں عیاں　　وجداں کا نور اس میں عیاں

ایماں کا نور اس میں عیاں　　عالم ہوا روشن جبیں

جاگ اُٹھے سب اہلِ زمیں

۴

نورِ سحر کی ضو تھی یہ　　موجِ صفا کی رو تھی یہ

شمعِ ہدا کی لو تھی یہ　　تمہید دورِ نو تھی یہ

عالم کو مسرور اس نے کیا

سینوں میں گھر اس نے کیا

جادو تھا یہ چلتا ہوا　　یا نور تھا ڈھلتا ہوا

لوگوں کے دل چھلتا ہوا　　ہسپانیہ سے تا چیں

سارا جہاں زیرِ نگیں

۵

عرفاں کی وہ چھوٹی کرن
دامن کو آ کے بھر گئی

باطل پہ لوٹی کرن
پل میں سنہرا کر گئی

لعل و گہر برسا گئی
ذرّوں کو بھی چمکا گئی

وہ حق کی باطل سوزیاں
حکمت کی جاں افروزیاں

کرنوں کی وہ زر دوزیاں
تھا قلبِ مسلم بالیقیں

رشکِ جمالِ حورِ عیں

۶

کعبہ سے اک آئی گھٹا
رحمت برستی آ گئی
ذرّوں میں ہستی آ گئی
سینوں کی سیرابی ہوئی
کینوں کی نایابی ہوئی

چاروں طرف چھائی گھٹا
آنکھوں میں مستی آ گئی
حکمت پرستی آ گئی
دینوں کی شادابی ہوئی
باطل ہوا غرقِ زمیں

روشن ہوا دینِ مبیں

۷

وہ ابرِ عرفاں آ گیا
تختِ سلیماں آ گیا

گلشن پہ داماں آ گیا
جینے کا ساماں آ گیا

غنچے چٹک کر کھل گئے
پھولوں کو موتی مل گئے

باطل کو بربادی ملی
جنگل کو آبادی ملی

نغموں کو آزادی ملی
گلپاشیاں ہونے لگیں

ہر گل سے ٹپکا انگبیں

۸

دیں سب کو بھاتا آگیا — جی کو لبھاتا آگیا
جلوے دکھاتا آگیا — دل میں سماتا آگیا
کوثر پلاتا آگیا — ہمت دلاتا آگیا
پرچم اڑاتا آگیا — دھومیں مچاتا آگیا
باطل کو ڈھاتا آگیا — رخشِ شہامت زیرِ زیں

حیراں ہوئے اہلِ زمیں

٩

ادنےٰ کو اعلےٰ کر دیا — بندے کو آقا کر دیا
ذرّے کو صحرا کر دیا — قطرے کو دریا کر دیا

کانپ اٹھے کسریٰ کے محل
سطوت میں جب آیا خلل

رومی و زنگی کانپ اٹھے — مردانِ جنگی کانپ اٹھے
سارے فرنگی کانپ اٹھے — ٹکڑے ہوئے حصنِ حصین

اور شاہ خاکستر نشیں

١٠

کچھ خاکساروں کو لیا — پھر تاجدار ان کو کیا
ہسپانیہ زیرِ نگیں — رومانیہ زیرِ نگیں
ہندوستاں زیرِ نگیں — سارا جہاں زیرِ نگیں
کشور کشائی ہاتھ میں — ساری خدائی ہاتھ میں
لا انتہائی ہاتھ میں — بن باسی اور صحرا گزیں

ہونے لگے مسند نشیں

١١

وہ صبح صادق اب کہاں — ہے اور ہی اب تو سماں
اگلے زمانے ہو چکے — قصے پرانے ہو چکے
شیریں ترانے ہو چکے — رنگیں فسانے ہو چکے

اب ہیں کہاں گلپوشیاں ؎
سوتی ہیں اب خاموشیاں
عشرت کی نوشانوشیاں
اس باغ میں کچھ بھی نہیں

یورپ تھا جس کا خوشہ چیں

وہ مرد غازی اب کہاں
اگلے نمازی اب کہاں
جوشِ حجازی اب کہاں
سینا ودرازی اب کہاں

جو عشق تجھ میں عام تھا ؎
اسلام جس کا نام تھا ؎

اب تیرے سینے میں نہیں
کچھ لطف جینے میں نہیں
مکے مدینے میں نہیں
اے فاتح رد ماد چیں

جھکتی ہے کیوں تیری جبیں

جوشِ اخوت کیا ہوا
زورِ حمیت کیا ہوا
کیفِ محبت کیا ہوا ؎
ذوقِ مودت کیا ہوا ؎

نجدی کہیں صوفی کہیں
رومی کہیں کوفی کہیں

آپس کی کھینچا تانیاں
تکفیر کی طغیانیاں
گمراہیاں نادانیاں
ٹوٹا ترا حبل المتیں

بکھرے سبھی ذرتیں

وہ شوقِ روحانی ترے
وہ شغلِ نورانی ترے
وہ ذوقِ پنہانی ترے
سب جلسے شبستانی ترے

وہ رنگ پہلے کیا ہوئے
اور رنگ پہلے کیا ہوئے

ایراں میں ہے ماتم بپا
موصل میں ہے شور و غنا
افغاں سے ہے آنکھیں مل رہا
ہے شام کی خونیں جبیں

سوتے ہیں ہندی نازنیں

سونے سے آخر فائدہ
رونے سے آخر فائدہ

ہونا تھا جو کچھ ہو گیا ؛
کھونا تھا جو کچھ کھو گیا ؛

وہ رات کالی ہو چکی
بزم خیالی ہو چکی

اُٹھ کر خدا کا نام لے
گرتے ہوؤں کو تھام لے
ہمت سے مسلم کام لے
فطرت ہے تیری آتشیں

بن جا نہ دُردِ تہ نشیں ؛

تبدیل کر یہ زندگی ؛
مقصد میں ہو تابندگی ؛
یہ زندگی یہ شرمندگی
اور عزم میں پابندگی

دل میں کلیمی شوق ہو
جی میں خلیلی ذوق ہو

بازو میں زورِ حیدری
ہر حال میں حسان پروری
باتوں میں لطفِ دلبری
بن رحمۃ للعالمیں

اے قوم ختم المرسلین

یہ دین کے شیدائی سبھی
وحدت کے مستانے ہیں یہ
کیوں تجھ سے بیگانے ہیں یہ
بے تار جان ان کو پُرو
رشتہ محبت کا نہ کھو ؛

آپس میں ہیں بھائی سبھی
رحمت کے پروانے ہیں یہ
تسبیح کے دانے ہیں یہ
دل سے لگا جو ہو سو ہو
درد ان کا اور جان حزیں

نام ان کا اور دل کا نگیں

اُٹھ مانگ اب حق سے دعا
لے خاکساروں کی خبر
ان بے قراروں کی خبر
رحمت کو ارزانی سے ملے
قلب مسلمانی سے ملے

اے خالق ارض و سما
آفت کے ماروں کی خبر
ان سوگواروں کی خبر
ہمت کو آسانی سے ملے
دے ذوق ایمان و یقین

اے روح بخش ما و طین

ان کو عطا وہ سینہ ہو
جو نور کا آئینہ ہو
وہ روح جو جاں تاب ہو
وہ ہوش جو بے خواب ہو
وہ جوش جو سیماب ہو
وہ عشق جو بے تاب ہو
وہ کیف جو مدہوش ہو
وہ خندہ جو گل پوش ہو
وہ گریہ جو خاموش ہو
وہ جاں کہ ہو تیری رہیں
وہ دل تو ہو جس میں مکیں

سینوں میں ہوں تابانیاں
ہوں شوق میں طغیانیاں
دے عزم کو جولانیاں
تابندہ کر پیشانیاں
تو ایک ہے یہ ایک ہوں
یہ تیرے بندے نیک ہوں

پھر نور سینوں کو ملے
برکت پسینوں کو ملے
رونق جبینوں کو ملے
ایاک ربی نستعین
اے مالک جان آفریں

تاب۔ جناب حشمت علی خانصاحب ساکن مہندر گڑھ ریاست پٹیالہ ۔ مادہ تاریخ

تقریب جشن جوبلی

ب خوش ہوے مزاج خوشی کی ہوا چلی
۱۹۸۲ء
سید کے باغ جد کی مہکی کلی کلی
۱۳۴۴ھ
جن ہمتوں سے کام تو کرتی رہی اہم
۱۹۸۲ء
اے قوم آج وہ تری ہمت بھلی لگی
۱۳۴۴ھ
سید کا فیض عام ہے ہر گھر میں جلوہ گر
۱۹۳۵ء
ہاں ہے تو یوں بجا یہ کہیں گے خدا لگی
۱۳۴۴ھ
غرناطہ دوسرا یہ علی گڑھ ہے ہند کا
۱۹۸۲ء
یہ باغ علم کا جو ہوا ہے گلی گلی
۱۳۴۴ھ

بھوپال اور دکن ترے دونوں ہیں ابرجود
سنہ ۱۳۴۴ھ
داتا ہے ایک عام تو ہے دوسرا سخی
سنہ ۱۹۲۵ء

اے تاب اور بھی ہیں بہت سے مرد پسند
سنہ ۱۳۴۴ھ
بخشش عطا کی جنکی بہت دھوم ہے مچی
سنہ ۱۹۲۵ء

جاری رہے یہ فیض کا چشمہ گراں بہا
سنہ ۱۹۸۲ء
تاریخ یادگار رہے یہ جشن کی لکھی
سنہ ۱۹۲۵ء

ذبیح۔ جناب سید محمد اسمٰعیل حسن صاحب رضوی وکیل چھپراموی۔ رباعی

علی گڑھ درسگاہ اعظم ہر علم و ہر فن ہے
علی گڑھ بہتریں تہذیب انسانی کا مسکن ہے
علی گڑھ جو بہا ہے عقل و دانائی کا خرمن ہے
علی گڑھ لابدی احکام قرآنی کا ضامن ہے
علی گڑھ علم اور اخلاق اسلامی کا مخزن ہے

ہمیں کم مائگی کا اپنی گو مطلق نہیں خطرہ
مگر علمی تنزل دم بدم کھتا ہے یہ اپنا
یہ ورثہ انبیا کا ہے جو ہمکو ان سے یوں پہونچا
کہ رخصت ہو رہا ہے دین بھی اب پیچھے دنیا
یہ دنیا اس کی چوٹی اور یہ دیں اس کا دامن ہے

کبھی دیکھا تھا خواب اس سید فرد زمن نے
کیا جو کچھ کہ تھا امکاں میں اس پیر جواں دل نے
جسے ترک یا دیا تھا بے حسی قوم غافل نے
کہ لاکھوں کر دیئے ذی علم اسکی سعی کامل نے
مگر کل منکر سرسید تیموں کو کافی یہ نہ خرمن ہے

عموماً وہ جو ہیں مفلس خصوصاً وہ جو ہیں بیکس
وہ اسلامی مکاتب کل جو اس صوبے میں ہیں زیر بس
تمام اس نعمت عظمیٰ سے ہیں بیکس کیونکہ ہیں بے بس
علی گڑھ کو گورنمنٹ انکو دیدے اختیار اور بس
نہیں احسان یہ بالائے احساں بلکہ احسن ہے

بے سال مسیحی (سحق) اس مصرعہ سے کم کر دو ۱۹۸
بے افضلی سن ہجری سے کم کر دو گیارہ کو ۱۳۴۴ ۱۱
بے ہجری لکھے حرفوں سے تم (اولی اثر) لے لو ۴۴۹
وہ مصرع پھر ذبیح ذرا سے سن لو اگر چاہو

علی گڑھ علم اور اخلاق اسلامی کا مخزن ہے

۲۰۹۳	سے	۱۶۸	خارج کیے
	۱۹۲۵ عیسوی		
۲۰۹۳	سے	۷۴۹	خارج کیے
	۱۳۴۴ ہجری		
۱۳۴۴	سے	۱۱	خارج کیے
	۱۳۳۳ فصلی		

سیماب - جناب شیخ عاشق حسین صاحب وارثی اکبر آبادی

ہجوم عام ہے اور حسن معنی بے محابا ہے
جہاں آج آسمان رفعت کی بنیاد قائم ہیں
چمک اٹھے ہیں وہ ذرے جو کل تک گرد میں پنہاں
طلوع لالہ و گل ہے زمین شورہ قسمت سے
وہ عالم جو دعا کے ساتھ طوفاں خیز نکلا تھا
جمود صد سالہ میں جس نے کر دی زندگی پیدا

فضائے دل نشیں جلوہ نمائے طور سینا ہے
وہاں ویرانیاں تھیں دیکھنے والوں نے دیکھا ہے
وہ عالم خواب کا سا تھا یہ بیداری کی دنیا ہے
جہاں رنگ ذروں کی رگوں سے پھوٹ نکلا ہے
وقار موج گنگا آبروئے رود جمنا ہے
علی گڑھ کی فضائے روح میں اب تک وہ زندا ہے

ز موج ہر نفس صد کیف میریزد بجان ما
مشیر و سید و سالار و میر کاروان ما

ترقی کی ہوائیں چل رہی ہیں بزم فانی میں
جنھیں تعمیر قومیت میں آتا ہے فنا ہونا
سفاہت کی وہ عالمگیر خود داری و خود رائی
نظر آتا وہ ہر منظر میں اک آشوب کا عالم
وہ سب اغلاط شب پروردہ جہل و تغافل تھیں
بھلا دے نسل ماضیات دور حال پیدا کر

بہ طبعائے عنصر باقی مزاج زندگانی میں
مدارج کچھ انھیں ملتے ہیں عمر جاودانی میں
جہالت کی وہ دار و گیر سعی خون فشانی میں
ابھر آتا وہ شخصی قوتوں کا حکمرانی میں
اگر اب آچکی ہے صبح جوش ضوفشانی میں
کہ مستقبل ہے تیرا جلوہ گر تیری جوانی میں

برنگ آفتاب از پردہ ہائے گرد بیروں شو
چو قطرہ بگزر از سیلاب دشواری و بیچوں شو

دکھا دے اہل عالم کو کہ تو اصلاً حجازی ہے
جسے کہتے ہیں غفلت تیری شان بے نیازی ہے

ابھی تک وادیوں میں بازگشت بانگ ہے باقی
پہاڑ اب تک لرز جاتے ہیں تجھسے تو وہ غازی ہے

جلال شہریاری ہے ابھی تیرے تخیل میں
ابھی تیرے تخیل میں کمال فخر رازی ہے

عمل ہے فرض تیرا پھر مآل کار جو کچھ ہو
وہ کوئی اور ہے جو ذمہ دار کارسازی ہے

ٹھہر بھی راہ جد و جہد میں لیکن کمر بستہ
خیال اتنا رہے تجھکو کہ ہر وقفہ مجازی ہے

مٹا کر زحمت واماندگی پھر مستعد ہو جا
کہ دنیا دست بستہ قائل غربت نوازی ہے

دریں ہنگامہ می آید صدائے محفلے دیگر
پس ایں منزل سخت ست پنہاں منزلے دیگر

رہ جہد و طلب کی منزلوں میں رائگاں ہو جا
برنگ سبزہ پھر صحن بیاباں پر عیاں ہو جا

حواس خمسہ کو لے ساتھ میر قافلہ خود بن
غبار رہ کا رواں کب تک رہے گا کارواں ہو جا

ثبوت احساس کو دے اپنی فطرت کی بلندی کا
زمیں گرد کدورت جب اڑا لے آسماں ہو جا

نگاہ اہل عالم خود ترے جذبات کو پڑھ لے
جب انکے سامنے آئے سراپا داستاں ہو جا

خموشی و سماعت دونوں بہتر ہیں تکلم سے
چھپا لے راز اپنا ہو سکے تو راز داں ہو جا

یہ ہیں آداب منزل جنسے شاید تو نہ تھا واقف
سروش غیب کی آواز آئی شادماں ہو جا

علی گڑھ منزل مقصود کا دنیا ہے پروانہ
تو یہ پروانہ لے اور صورت نکہت رواں ہو جا

ضیا از شمع عالم افروزہ حسن تخیل را
خدا خود میر ساماں است ارباب توکل را

الٰہی جذب کا ہدیہ کو ذوق بیقراری دے
شکست عزم ملت کو مجال استواری دے

عمل کی لغزش رفتار کو بجلی عطا فرما
دل مجبور کو پھر ہمت خود اختیاری دے

بہت کمزور ہے نشو و نمائے جسم تو بیت
ہوا لے باغ عالم کو مذاق سازگاری دے

مٹانا ہے تو پہونچا کر مٹا عرش ترقی پر
فلک جسکی زمیں ہو وہ عروج خاکساری دے

نظام قوم مسلم کو بدل دے حد ممکن تک
پھر اپنے موقلم کو زحمت قسمت نگاری دے

دگر در گلشن ملت بہار اولیں آید
زہر برگش صدائے شہپر روح الامیں آید

شمس۔ جناب ملا محمد ابراہیم صاحب متعلم درجہ دوازدہم انٹرمیڈیٹ کالج علیگڑھ

وہ مصیبت تو گئی جب علم کا چرچا نہ تھا
ہوگا یہ انجام آخر دھیان بھی اسکا نہ تھا
تھا تو انگریزی کا اسمیں دخل بھی گویا نہ تھا
غیر پڑھجائیں گے آگے یہ کبھی سوچا نہ تھا
لیکن اک سید کی عالی ہمتی کے فیض سے
قوم میں تعلیم انگریزی کے چرچے ہوگئے

خاص لوگوں کے یہ مجمع اور یہ دربار عام
یہ بڑا پنڈال یہ جلسے یہ اس کا اہتمام
ہوسٹل اسکول یونیورسٹی کالج تمام
یہ عظیم الشان کیمپ ایسی فضا یہ انصرام
کوئی دیکھے غور سے یا واقعی پوچھے اگر
ہے یہ سرسید کی محنت اور ہمت کا ثمر

کشتیٔ سید کو ساحل پر لگانا چاہیے
ایسے ہی وقتوں میں قوت آزمانا چاہیے
اس بھنور سے جسطرح بھی ہو بچانا چاہیے
پھر خود موقع یہ پوچھے گا تماشا چاہیے
جسکا طالب دل ہے وہ دن بھی خدا دکھلائیگا
مارلو دو ہاتھ ساحل بھی نظر آجائیگا

پھر مسلمانوں کو پہلی ہی سی وقعت ہو نہ جائے
قوم پھر کہتا ہوں تو غرق جہالت ہو نہ جائے
سوتے ہی سوتے کہیں صبح قیامت ہو نہ جائے
پھر بتوں کا گھر تری جائے عبادت ہو نہ جائے
بادباں کو کھول دو کس طرح لہراتا چلے
قوم کا بیڑا خدا کی شان دکھلاتا چلے

اے مسلمانو تم آپس میں بڑھاؤ اتحاد
نعرۂ اللہ اکبر میں سناؤ اتحاد
ہر گھڑی آپس میں تم اپنے بڑھاؤ اتحاد
روز و شب بچوں کو بھی اپنے سکھاؤ اتحاد
فائدہ دے گا جو وہ بچہ جواں ہو جائیگا
اتحادی ریٹ کا جادو ہرزباں ہو جائیگا

اے مسلمانو اٹھو بیدار ہو بیدار ہو
سب کے سب اسلام کی مے پی کے ہیں سرشار ہو
لوگ کہتے ہیں کہ تن آسانی کے تم بیمار ہو
قلب دشمن کے لیے چلتی ہوئی تلوار ہو
اکھٹے کھڑے ہو مل کے یوں اسلام زندہ دینے لگے

گرم ایسا تو کرو لوہا کہ لو دینے لگے

صفحۂ دل پہ لکھو اخلاص سے نام رسولؐ | دو جگہ مت دلمیں انکو جو کہ ہیں باتیں فضول
شکوہ کیا سمجھاؤں خود رستے ہو تم حسن قبول | ذکر ایسی چاہیے جس سے کہ ہو مطلب حصول

ڈھونڈھنے سے دیکھ لینا راستہ ملجائیگا
کشتی عمر رواں کو ناخدا ملجائے گا

عرض پھر کرتا ہوں میں یہ اتحادی رٹ نہ جائے | راستہ سیدھا ہی سچا ہی کہیں سر کٹ نہ جائے
سر بھی گر تن سے جدا ہو پر ہماری بٹ نہ جائے | یہ اولوالعزمی یہ خودداری یہ ہمت گھٹ نہ جائے

شمس کیا کہتے ہیں کیا ہی خوب یہ لکھی ہے نظم
سن کے دشمن بھی یہی کہتے ہیں کیا اچھی ہے نظم

عاشق۔ جناب ابوالمسعود صاحب عاشق ذبیحی دہلوی

حب قومی میں الٰہی مجھے کامل کر دے | جنبش لب کو گواہ تپش دل کر دے
جذبۂ شوق مرا خضر مراحل کر دے | قوم مسلم پہ فدا ہونے کے قابل کر دے

بادۂ درس ترقی کا میں اک جوش بنوں
قوم خوابیدۂ غفلت کے لیے ہوش بنوں

قوم مسلم میں سناتا ہوں فسانہ تیرا | یاد ایام کہ بہتر تھا زمانہ تیرا
خوبیوں میں تھا ہر اک فرد یگانہ تیرا | ساری دنیا کی زباں پر تھا ترانہ تیرا

تیرے ہاتھوں میں تھیں ہر علم کی شمعیں روشن
حسن اعمال کا شاہد تھا ترا چال چلن

کوس توحید خدائی میں بجایا تو نے | ظلمت شرک کو عالم سے مٹایا تو نے
حق کا پیغام جو بے خوف سنایا تو نے | خواب غفلت سے زمانہ کو جگایا تو نے

بادۂ حق و صداقت سے جو مدہوش کیا
انہماک غم باطل کو فراموش کیا

ایک دن وہ تھا کہ تھی حق کی خلافت تجھ میں | صدق صدیقؓ تھا فاروقؓ کی صولت تجھ میں

حلم عثمانؓ تھا حیدرؓ کی شجاعت تجھ میں — تھی غرض سارے زمانے کی لیاقت تجھ میں

کوئی ہمسر کہیں دنیا میں نہ ٹھیرا تیرا
بام افلاک پہ اُڑتا تھا پھریرا تیرا

تجھ میں تھی خالد جانباز کی ہمت اے قوم — تجھ میں تھی عامر جراح کی شوکت اے قوم
تجھ میں تھی بوذر و سلماں کی کرامت اے قوم — تجھ میں تھی دین محمدؐ کی حمایت اے قوم

سر دو عالم کا ترے سامنے جھک جاتا تھا
تیری قسمت پہ فرشتوں کو بھی رشک آتا تھا

ہائے اب تجھ نے یہ کیا رنگ دکھایا اے قوم — خاک میں عزت قومی کو ملایا اے قوم
اسقدر آپ کو پستی میں گرایا اے قوم — تجھ پہ ہنستا ہے ہر اک اپنا پرایا اے قوم

تو نے احکام کو احکام نے چھوڑا تجھ کو
تو نے اسلام کو اسلام نے چھوڑا تجھ کو

تھک گئے آہ ترا شانہ ہلانے والے — چپ بیٹھے دے دیکے جگاتے ہیں جگانے والے
بڑھ گئے تجھ سے ترے ساتھ کے جانے والے — رو بیٹھے اب تری تقدیر کو آنے والے

کس لیے سست ہے اے قوم تو کاہل کیوں ہے
اپنی مستقبل تاریک سے غافل کیوں ہے

کاہلی تجھکو بد اقبال بنائے افسوس — اپنی حالت پہ تو دنیا کو ہنسائے افسوس
بیحیائی تجھے پستی میں گرائے افسوس — دیکھکر غیروں کو غیرت بھی نہ آئے افسوس

اپنی ذلت کا تجھے کچھ بھی تو احساس نہیں
قومی عزت کا تجھے ہائے ذرا پاس نہیں

علم کے سایہ سے اے قوم ہے نفرت تجھ کو — نہیں بھاتی کبھی ذی علم کی صحبت تجھ کو
کارگر ہوتی نہیں وعظ و نصیحت تجھکو — کرکے برباد رہیگی یہ جہالت تجھ کو

تیرے احساس کو کیوں مار گیا ہے فالج
اُٹھ کہ تعلیم کو تیار ہے قومی کالج

وقت باقی ہے ابھی خواب سے بیدار تو ہو — بس بہت سوچکے اٹھ تو سہی ہشیار تو ہو
عفو تقصیر کی خالق سے طلبگار تو ہو — اپنے کردار سے نادم تو ہو بیزار تو ہو

گود میں رحمت حق آکے اُٹھا لیگی تجھے
اب بھی اس ذلت و خواری سے بچا لیگی تجھے

پھر وہی تو ہو وہی شوکت و عظمت تیری
پھر وہی تو ہو وہی عزت و حرمت تیری
پھر وہی تو ہو وہی جاہ و جلالت تیری
پھر وہی مشرق و مغرب پہ حکومت تیری

بارش فضل و کرم صبح و مسا ہو تجھ پر
سایۂ دامن محبوب خدا ہو تجھ پر

اے خدائے دو جہاں سخت گنہگار ہیں ہم
جو سزا ہمکو ملے اُسکے سزاوار ہیں ہم
تیرہ باطن ہیں بد اعمال و ریاکار ہیں ہم
پر ترے بندہ ہیں شرمندہ ہیں ناچار ہیں ہم

تیری رحمت کے سوا اور ٹھکانا کیا ہے
بخشدے بخشدے مالک تجھے پروا کیا ہے

پا چکے کیفر کردار الٰہی توبہ
ہوگئے جینے سے بیزار الٰہی توبہ
اور اب ہمکو نہ کر خوار الٰہی توبہ
توبہ کرتے ہیں گنہگار الٰہی توبہ

ملتجی ہے ترے محبوب کی امت تجھ سے
پھر طلب کرتے ہیں کھوئی ہوئی عزت تجھ سے

یا رسول عربی صاحب لولاک لما
یا محب الفقرا حامی ہر شاہ و گدا
یا شہنشاہ رسل محرم وحی یوحی
یا انیس الغربا دافع ہر رنج و بلا

اب تو ہو چشم عنایت کہ پریشاں ہیں ہم
کیجیے حق سے شفاعت کہ پریشاں ہیں ہم

المدد المدد اے تاج شفاعت والے
المدد المدد اے راحت و رحمت والے
المدد المدد اے مہر نبوت والے
المدد المدد اے لطف و عنایت والے

ہیں تمھارے ہی تو بس ہیں کہ جیسے ہیں ہم مولا
اب تو بڑھ کے سنبھالو کہ چلے ہم مولا

المدد المدد اے سید و سلطان حجاز
جوش پر بحر گنہ اور ہوا ہے ناساز
المدد المدد اے بادشہ بندہ نواز
ڈوب جائے نہ کہیں آپکی امت کا جہاز

ناخدا بنکے خدا کے لیے آؤ مولا ؐ

اُٹھو گرداب جہالت سے بچاؤ مولا

وقت امداد ہے محبوب خدا سن لیجیے
ہاتھ پھیلائے کھڑے ہیں فقرا سن لیجیے

مضطرب ہیں در دولت کے گدا سن لیجیے
یا نبی عاشق مضطر کی دعا سن لیجیے

غیب سے پائے وہ امداد علیگڈھ کالج
تا قیامت رہے آباد علیگڈھ کالج

نشاعر از جناب افسر الشعرا آغا شاعر قزلباش دہلوی

خبر بھی ہے اے قوم اللہ اکبر
اُٹھا درد قومی سے سید سا رہبر

صدی نصف گذری ہے یہ تجھ پہ کیونکر
بنایا یہ کالج علی گڈھ میں آکر

اسی نے ہمیں سیدھا رستہ بتایا
پڑے سو رہے تھے جنجھوڑا جگایا

عجب قابل سیر تھا اللہ والا
مصیبت کو کھویا بلاؤں کو ٹالا

بڑے وقت پہ ڈوبتوں کو سنبھالا
یہاں عزم با نجزم کا طور ڈالا

اخوت کا دم جب سے بھرنے لگے ہم
کہ اپنی مدد آپ کرنے لگے ہم

اسی نے سمجھایا سچائی پہ مرنا
خدا کے سوا دوسرے سے نہ ڈرنا

بدی کے عوض غیر کو پیار کرنا
ارادے پہ اک اک قدم جمکے دھرنا

در مدعا کھول کر کے پلٹنا
بتایا ہمیں گول کر کے پلٹنا

یہ تھا اصل میں اس بہشتی کا منشا
سمجھ لے اسے قوم کا بچہ بچہ

زمانے کی جو دوڑ ہے بے تحاشا
نہ رہ جائے پیچھے کوئی فرد اس کا

مسلمان کامل ہوں علم و ہنر میں
نمایاں طریقے سے ہوں ملک بھر میں

اسی دھن میں سب اپنی ہستی مٹادی
جو پونجی تھی سب خاک لے وہ لگادی

ہوا جو ہوا قومیت کو جلا دی
وہ خود مٹ گیا بات اپنی بنا دی

ہزاروں ہیں سید کے احسان ہم پر
کہ اس مرنے والے نے دی جان ہم پر

وہ سو دل کا اک دل تھا کالج کا بانی
ہر اک قوم پر اس نے کی مہربانی
پیاسوں کو جس نے پلایا ہے پانی
کسی سے سنا ہی کبھی آنا کانی

اسی خاک میں ہے وہ جوہر ہمارا
یہیں سو رہا ہے وہ لیڈر ہمارا

یونیورسٹی پہلی ہندوستاں کی
نہیں قید کوئی زمین و مکاں کی
یہی ہے جو کرتی ہے خدمت جہاں کی
کھچ آئی ہے خلقت یہاں کی وہاں کی

یہ افریقہ و چین و جاپان تک ہے
علی گڑھ کا سرچشمہ ایران تک ہے

جو طلاب آتے ہیں دور زمیں سے
وہ اخلاق و عادات میں بھی الگ تھے
خیالات ہوتے ہیں انکے نرالے
یہاں ملنے جلنے سے سانچے میں ڈھلکے

جدھر بھی ہیں جوش خدمت لیے ہیں
جہاں بھی ہیں اسلامی شوکت لیے ہیں

یہاں سے نکلتے ہیں جو پاس ہو کر
وہ اطوار میں بھی جہاں بھر سے بہتر
ہے تعداد سب درسگاہوں سے بڑھ کر
گورنمنٹ کو بھی بھروسہ ہے ان پر

انھیں منزلت چشم اہل نظر میں
معزز ہیں وہ ہر طرف ملک بھر میں

یہیں کی ہے اک بزم القرض یعنی
مدد دی ہے جس نے لکھو کھا روپے کی
جو نادار لڑکوں کو ہے قرض دیتی
بہت اعلیٰ تعلیم صد ہا نے پائی

وقار انکا قائم ہے سچے رہے ہیں
دعائیں وہ کالج کو اب دے رہے ہیں

یہاں حفظ صحت کے اتنے ہیں شعبے
بہت طرح کے کھیل ورزش میں ڈوبے
کہ ممنون ہیں جنکے بچے سے بوڑھے
سواری کے گر پیرنے کے طریقے

ہر اک فن میں کامل بناتے ہیں اُنکو
کہ استاد کامل سکھاتے ہیں اُنکو

غرض اعلیٰ تعلیم کا سب سے پہلا
جہاں ایک مرکز یہ اعلےٰ دا دسنے
یہی ایک سرچشمہ ہے وہ بھی اپنا
دکھاتے ہیں قومی اخوت کا جلوا

ابھی ہیں تو محفوظ دامن قوم کا ہے
یہ پنجاہ سالہ چمن قوم کا ہے

بزرگوں نے تعمیر اسکی اُٹھا کر
ہے یہ چشم بد دور وہ اوج منظر
کیا ہے اسے آسماں کے برابر
نظر پڑتی ہے اہل عالم کی جس پر

یہ گلشن چمن در چمن کر گئے وہ
اسے خون سے سینچکر مر گئے وہ

شجر انکی محنت نے جو تھے لگائے
حمیت یہ ہے ددر تم تک جو آئے
ذرا سوچ لو اُنکے پھل تمنے کھائے
تمھاری بھی اولاد خالی نہ جائے

جو کل چاہیے اپنی معراج تم کو
ضرورت ہے ایثار کی آج تم کو

ویران قوم اسکی اب مالی حالت
عمارات کی آپڑی ہے ضرورت
تمھاری ہی ہمت کی تکتی ہے صورت
مگر بات ہی کیا دکھاؤ جو ہمت

ہو شیر دل کے تم شیر جیوٹ جیالے
اُٹھاتے ہیں پربت کو اللہ والے

سُنائے یہ شاعر نے پُر درد اچھر
مگر تم نہ دو کون دیگا پھر آکر
کہ تم بھی نہیں ہو کچھ ایسے تونگر
تمھیں تو ہو اس قومی کشتی کے لنگر

دیے کی تجلی نئے گھر تلک ہے
کہ یہ جوت فردائے محشر تلک ہے

عطاؔ۔ از جناب عطا محمد صاحب بدایونی وکیل تلہر

مسلمانو جہالت کے سبب افلاس چھایا ہے
خدا جانے دماغوں میں تمہارے کیا سمایا ہے
تمہاری بد مزاجی نے تمہیں نیچا دکھایا ہے
اسی انداز کج خلقی سے تنگ اپنا پرایا ہے
جہالت اور بے مہری پہ تم اپنی نظر ڈالو
ذرا شرماؤ دل میں اور گریباں میں سر ڈالو

اگر بے بہرہ علم و خلق سے کوئی بشر ہوگا
تمامی قوم اور ملت سے نیچا اسکا سر ہوگا
زمانے میں وہ کیونکر مفتخر اور مقتدر ہوگا
ذلیل و خوار ہوگا ہاتھ خالی در بدر ہوگا
ٹھکانا دین میں ہوگا نہ دنیا میں گزر ہوگی
اسیر غم رہے گا اور مصیبت سے بسر ہوگی

ہمارے رہبران سبق تھے مظہر رحمت
سراپا خلق تھے اور علم کی پائی تھی وہ دولت
انھیں تھی علم سے الفت تحمل داخل خصلت
سبق لیتا تھا علم و خلق کا ہر صاحب غیرت
کسی کا دل دکھانا باعث نفرت سمجھتے تھے
غریبوں بیکسوں کی دلدہی طاعت سمجھتے تھے

بتائیں نام کس کا ہم سنائیں کس کا افسانہ
بنایا جسکے خلق پاک نے ہم سب کو دیوانہ
ہمارے سامنے ہے حضرت سید کا کاشانہ
ہوا ہے اس زمانے میں نہ کوئی ایسا فرزانہ
یہاں ہے جسقدر رونق وہ سب جلوہ ہے سید کا
ریاض قوم کی نشو و نما صدقہ ہے سید کا

بنائی درسگاہ علم کس نے صرف سید نے
دکھائی تمکو راہ علم کس نے صرف سید نے
کیا پر نور ماہ علم کس نے صرف سید نے
کیا تم سبکو شاہ علم کس نے صرف سید نے
تمہاری قوم میں پھیلی ہوئی کیسی جہالت تھی
اگر امداد سر سید نہ فرماتے قیامت تھی

بنایا قوم کا دار العلوم ایسا علی گڑھ میں
کیا اخلاق کا جاری عجب دریا علی گڑھ میں
ہوا خورشید چرخ علم کا جلوہ علی گڑھ میں
ہوئی سیراب آکر قوم سر تا پا علی گڑھ میں
وہی اک ذات سید قوم مسلم کی مسیحا تھی

اسید قوم اُسکی ذات سے وابستہ کیا کیا تھی

علیگڈھ کیا ہی علم اور خلق اسلامی کا گلشن ہے
علیگڈھ میں فنون و علم کا موجود خزن ہے

علیگڈھ علم اور اخلاق اسلامی کا مخزن ہے
علیگڈھ میں علی کے نام کی تنویر روشن ہے

علی مشکل کشا کے مرتبے روشن ہیں ظاہر ہیں
محمد ہیں مدینہ علم کے مولا علی در ہیں

ہر اک مذہب ہر ملت میں کوئی فن کوئی جوہر ہے
خدا کی معرفت کا نور روشن علم داں پر ہے

اگر دنیائے اسلامی کا علم و خلق زیور ہے
جسے منزل یہ حاصل ہے دو بالا اسکا اختر ہے

دو عالم میں ضیا علم نبی کی جلوہ فرما ہے
تمامی خلق میں خلق محمد رونق افزا ہے

اسی سے دین اور دنیا میں عزت خوب ملتی ہے
اسی کے در سے ناداروں کو دولت خوب ملتی ہے

اسی سے چرخ اعزازی پہ منت خوب ملتی ہے
امیروں کو اسی سے شان و شوکت خوب ملتی ہے

غریبوں بیکسوں کا علم ہی افلاس کھوتا ہے
ملکوں کا چمن اخلاق سے سرسبز ہوتا ہے

تجارت میں ترقی علم اور اخلاق سے آئی
عجب تاثیر علم و خلق نے اللہ سے پائی

تصوف میں بھی دیکھی ہمنے اُسکی جلوہ افزائی
کلید دفتر فرحت ہے ان دونوں کی یکجائی

کبھی برق حوادث سے نہیں جلتا ہی یہ خرمن
بہار بے خزاں ہی علم اور اخلاق کا گلشن

خدائی میں ہے جلوہ علم کا اور خلق کی رونق
کھلی ہے بات ان دونوں کی اک رہ نہیں مغلق

علم سے علم مالک دین کا اور خلق سے برق
تمامی اہل خلق اور علم داں بیشکہ ہیں مطلق

جو اہل خلق ہیں انکی زمانہ قدر کرتا ہے
خدائی بھر میں دم عالم کا ہر انسان بھرتا ہے

یہی علم و عمل اخلاق کام آتا ہے دنیا میں
یہ مہر و ماہ رونق بخش ہونگے قصر عقبےٰ میں

کسوٹی ہے یہی ایمان کی دل والے میں
رہیگی حشر تک انکی ضیا قلب مصفا میں

قدمبوسی نبی کی انکے باعث حشر میں ہوگی
گناہوں کی معافی انکے باعث حشر میں ہوگی

قیامت تک رہیگا دور علم و خلق کا جاری ‍ ‍ انھیں کے دم سے ہوگی دور بیکاری و لاچاری
انھیں سے خلق میں ہوتا ہی حاصل تاج سرداری ‍ ‍ ملا کرتا ہے علم و خلق سے اعزاز درباری
انھیں کے نام کا سکہ رواں ہی سارے عالم میں
قیامت تک رہیں یا رب یہ دونوں جلوہ گر ہم میں

خدا توفیق دے تمکو رہو تم علم کے یاور ‍ ‍ تمہارے سامنے ہوں سرنگوں ہر ملک کے خود سر
تمہارے علم اور اخلاق کی توقیر ہو گھر گھر ‍ ‍ سبق لے خلق کا تم سے تمامی خلق خود آکر
تمہارے علم کا اختر زمانے میں منور رہو
تمہارا خلق روشن صورت تصویر خاور ہو

ہو ضرب المثل دنیا میں اخلاق حمیدہ سے ‍ ‍ نہ چھوڑو دامن علم و خلق دم بھر اپنے قبضہ سے
رہیں اس درسگاہ علم میں اخلاق کے جلوے ‍ ‍ تمہارے دم سے قسمت علم اور اخلاق کی جاگے
تمہارے خلق کی رونق تمہارے علم کا جلوہ
رہے روشن تمامی خلق میں ہم شکل آئینہ

زمانہ میں ہی مروج علم و فن یا ہے ہنر جاری ‍ ‍ تمہارے قبضۂ قدرت میں آئی آنکی سرداری
تمہارے خلق کا سارے جہاں میں وزن ہو بھاری ‍ ‍ تمہارے سامنے ہو سرنگوں ترکی و تاتاری
عرب میں نام ہو ایران میں شہرہ تمہارا ہو
ضیا انگلینڈ میں ہو روم میں جلوہ تمہارا ہو

ہمارے ملک میں برطانیہ کی بادشاہی ہے ‍ ‍ انہی کے عدل اور انصاف کی جلوہ نمائی ہے
ضرورت علم انگریزی کی یوں دل میں سمائی ہے ‍ ‍ کہ دنیا میں نظر یہ شکل بہبودی کی آئی ہے
بغیر علم انگریزی ترقی ہو نہیں سکتی
فلاکت سے بغیر اسکے رہائی ہو نہیں سکتی

تمہاری حق نمائی حق پرستی بھی منور رہو ‍ ‍ جیو تم پابند احکام شریعت اے برادر ہو
چلو راہ حقیقت پر قدم ہرگز نہ باہر ہو ‍ ‍ تمامی مذہب و ملت میں تم بالا و برتر ہو
تمہارے دین کو اللہ نے اکمل بنایا ہے
پیمبر کو تمہارے خلق سے افضل بنایا ہے

عطا اب کیا کہے کہنا تھا جو کچھ اسکو کہہ گزرا ‍ ‍ بتایا نیک و بد تمکو دکھایا سب لکھا لکھوتا

خدا کے فضل سے تم ہو فہیم و عاقل و دانا	نتیجہ تم سمجھتے ہو بُرائی کا بھلائی کا

عطا کا مشورہ ہمدردیِ اسلام جانو تم
تمہیں ہے اختیارِ عام مانو یا نہ مانو تم

قمر - از جناب قمر الحسن صاحب صدیقی ارشدی بدایونی

علی گڈھ کی ترقی دیکھکر ہر شخص کہتا ہے
برا اچھا سمجھتے سب ہیں لیکن فرق اتنا ہے
ملا کر مشرقی تعلیم کو تعلیم مغرب میں
اثر شائستگی سچائی خوبی خوشنمائی کا
ہے انگلش ہوس بھی اسمیں جو یورپ کے نمونے پر
وہاں کی تربیت انگلش ہے لیکن ساتھ ہی سکے
خود اپنا تار گھر بھی ہے خود اپنا ڈاکخانہ بھی
ہر اک صوبے کے طالبعلم ہیں ہر ایک مذہب کے
گذر کر فیض عالمگیر ہندوستان سے اسکا
رعایت فیس کی بھی ہے وظیفہ بھی اعانت بھی
یہاں کے کورس میں ہے فارسی عربی بھی اردو بھی
ہے علم الکیمیا علم طبعیات اور انگلش بھی
زبان سنسکرت اسمیں ہے اسلامی علوم اسمیں
کلب اسمیں ہیں سومنگ باتھ اسمیں ہاسٹل اسمیں
یہ سب باتیں تو یونیورسٹی میں ہیں علیگڈھ کی
مسرت بخش ہے تعداد بیشک طالب علموں کی
ہیں یونیورسٹی کے متصل بنگلے کرایہ پر
بہت سے ایسے طالب علم ہیں جنکو یہ مجبوری
جگہ پھر بھی نہیں ملتی تو صدہا لوٹ جاتے ہیں
علاوہ ہاسٹل کے کم ہے تعلیمی عمارت بھی

بنایا جسکو سرسید نے جنت یہ وہ دنیا ہے
جو سرسید نے جب سمجھا تھا وہ ملک اب سمجھتا ہے
کیا وہ کیمسٹری اسمیں ہیں دین و دنیا ہے
اسی تعلیم نے اخلاق پر لڑکوں کے ڈالا ہے
ہر اک بچے کو یورپ کا تمدن بھی سکھاتا ہے
نماز اور مذہبی تعلیم کو بھی فرض رکھا ہے
خود اپنی پولیس بھی ہے شفا خانہ بھی بنایا ہے
جو اسمیں آگیا وہ اسکو اپنا گھر سمجھتا ہے
عرب ایران ٹرکی چین افریقہ میں پہنچا ہے
ہے گنجائش جہانتک فرض بھی پڑھنے کو ملتا ہے
ریاضی فلسفہ جغرافیہ بھی اسمیں رکھا ہے
ادب ہے ہسٹری ہے علم حیوانات ہے لا ہے
علوم اقتصادی و نباتاتی کا چرچا ہے
قواعد کھیل گھوڑے کی سواری بھی مہیا ہے
مگر انکو چلانے کیلیے داموں کا توڑا ہے
مگر جو ہاسٹل ہیں انمیں اب مشکل گذارا ہے
مگر کتنے ہیں وہ اور انسے کتنا کام چلتا ہے
یہاں سے فاصلے پر شہر میں رہنا گوارا ہے
بہت افسوس ہے اسکا مگر حیب ہیں کہ بس کیا ہے
بدقت آجتک یہ کام خیموں سے چلا یا ہے

عمارت بن رہی ہے اب جو اسکول اور کالج کی
یہ مسجد دور ہے اس سے نئی مسجد بنانا ہے

کلب جو یونین ہے وہ بھی ناکافی ہے جلسوں کو
نہیں اتنک سنیٹ ہال اور شفاخانہ بھی چھوٹا ہے

نہ موقع موزیم کو ہے نہ کالج کو ٹریننگ کے
نہ کچھ اسکا ٹھکانا ہے نہ کچھ اسکا ٹھکانا ہے

تمنا تو یہ ہے اب صنعت و حرفت بھی ہو آکیں
مگر داموں بغیر اسکی تمنا کیا تمنا ہے

وظائف ہوں تو لڑکے جائیں بیرونی ممالک میں
جہاں کی سرزمیں اسوقت علم و فن کی دنیا ہے

وظائف ہوں تو یونیورسٹی فیلو مقرر ہوں
وہ موقع آئے تحقیقات علمی جسکا منشا ہے

یہی اسکیم ہے اب دو کروڑ اسکا ہے تخمینہ
رقم یہ نقد ملجائے تو بس پھر بول بالا ہے

ضرورت پھر تو بس پنجاہ لاکھ سالانہ کی ہو گی
یہ اطمینان ہوجائے تو بیشک پار بیڑا ہے

بظاہر یہ رقم جنکو بڑی معلوم ہوتی ہے
وہ یہ سوچیں مسلمانوں کی تعداد آجکل کیا ہے

یہ تعداد اور اسمیں یہ رقم پھر اس ضرورت پر
کہ جس پر درحقیقت منحصر جینا ہمارا ہے

یہ کالج اور یونیورسٹی جس نے بنائی ہو
وہ قوم اسکے مصارف کو نہ جھیلے اک اچنبھا ہے

ہوا مرحوم سرسید کی ہمت سے وجود اس کا
ترقی و بقا کی آپ لوگوں سے تمنا ہے

بس اب روداد یونیورسٹی کی آپ نے سن لی
حمایت کو اٹھے دست کرم اب وقت اسکا ہے

یہ وہ بخشش ہے اپنی قوم کو جو زندگی بخشے
اسے دینا نہ سمجھیں آپ عزت مول لینا ہے

خدا کے واسطے فرمائیے رحم اپنے بچوں پر
خدا کیواسطے دیدیجیے جو کچھ بھی دینا ہے

تمھیں یہ کیا بتانے آپ اتنا خود سمجھتے ہیں
علی گڈھ ہی میں علم اور خلق اسلامی کا چرچا ہے

رباعی از جناب گرامی صاحب

در صبح ازل زیست ہستم کردی
در جذبۂ عقل و عشق مستم کردی
در بیخودی عشق نہ ہوشم بردی
در مستی عقل خود بہ ہستم بردی

تاریخ - از جناب مولوی سید فضل ستار صاحب لاابالی ایچ پی ہیڈ مولوی ہائی اسکول امروہہ

چہ جشن جوبلی کز دو جہاں پُر انبساط ہست / کنوں بہ اوج فرخی مسلم یونیورسٹی

نشاط جشن جم بگو، بہار صد ارم بگو / چہ سود بزم خسروی مسلم یونیورسٹی

بہ بیں ظہور عقل و ہنگ دریں طراز رنگ رنگ / عیاں فر سکندری مسلم یونیورسٹی

چہ قاسم علوم شد، چہ حاتم عموم شد / رواج زر و رہبری مسلم یونیورسٹی

بداں ہلال یکشبہ بجنبشم حقد نا کنند / بہ مصر نور کوکبی مسلم یونیورسٹی

کلید گنج علم ہست لوح این طلسم ہست / ہلال چرخ اخضری مسلم یونیورسٹی

بجوش ہاں ابجان و تن بہ کمال علم و فن / تعال قوم من بری مسلم یونیورسٹی

بہ سال انعقاد آن بگفت لاابالی جہاں

بہائے جشن جوبلی مسلم یونیورسٹی

۴۴ ۱۳ ھ

دیگر مصرع تاریخ } وہ جشن جوبلی، بہ مسلم یونیورسٹی

۴ ۴ ۱۳ ھ

مدح - از جناب نثار الملک صاحب احدی اجمیری

ملی ابتک نہ ایسی فرحتیں صحن گلستاں کو / عطا کی علم نے جو وسعتیں کالج کے میداں کو

مرے دل سے کوئی سن لے فسانے اسکی عظمت کے / مری آنکھوں سے کوئی دیکھ لے اس یوسفستاں کو

دعائیں دے رہا ہوں دیکھکر عثمانیہ منزل / نظام الملک آصف جاہ عثمان علیخاں کو

نظر آئیں نہ کیونکر جوبلی میں لورڈ انگلش کے / بھلا اردو سے کیا نسبت ہے انگریزی مسلماں کو

بڑی عزت بڑھائی پھول نے شبنم کے قطرہ کی / بڑی وقعت سے آنکھوں پر بٹھایا اپنے مہماں کو

مجھے مدنظر ہے طبقہ نسواں کی بہبودی / ضروری جانتا ہوں سب سے میں تعلیم نسواں کو

ملا دینا کوئی آساں نہیں ہندو مسلماں کا / میں جب جانوں ملا دو تم مسلماں سے مسلماں کو

جدائی کو سمجھنا چاہیے اک دور تاریکی / اندھیرے میں نظر آتی نہیں کچھ چیز انساں کو

اُسے ملت کا سودا اور یہ مذہب سے بیگانہ — مسلماں اب کہیں ہندو کو یا ہندو مسلماں کو
گلستاں جہاں میں اب بیاضِ صبح کھلتی ہے — کتابِ شب سمیٹے اپنے اوراقِ پریشاں کو
ہٹاتی ہے مجھے رفتارِ مغرب راہِ مشرق سے — لیے جاتی ہے ٹیڑھے راستے سیدھے مسلماں کو
یہی لڑکے بنینگے کام کے اک روز لکھ پڑھ کر — یہی لڑکے بڑی امداد دینگے نوعِ انساں کو
یہی قطرے فزوں ہو جائینگے اک روز دریا سے — یہی ذرے اُڑا لیجائینگے اک دن بیاباں کو
نہ چھوڑینگے نہ چھوڑینگے کبھی کالج کی ہمدردی — نہ بھولینگے نہ بھولینگے کبھی سید کے احساں کو
بڑے خدمتگزارِ ملک و ملت تھے خدا بخشے — وقارالملک کو محمود کو مہدی علیخاں کو

میری بیچارگی کا میر اک عالم میں ماتم ہے
میری حالت پہ خوں رونا پڑا ہے زخمِ خنداں کو

از جناب کے ایچ شید صاحب (علیگ)

مستی دوشینہ را برد از سرم رنجِ خمار — ساقیا برخیز و جامِ بادۂ گلگوں بیار
بادۂ گلگوں کہ یابد از فروغِ مہر عقل — شیخِ کامل در سبوے مغز رندِ پختہ کار
تا کشم در یادِ سر سید کہ از سعیش شدست — طرح ایں دارالعلوم روح پرور استوار
سیدالسادات سید احمد والا نسب — دستگیرِ بیکساں و حق شناسِ روزگار
آیتِ رحمت براے قوم از آیاتِ حق — درجہاں در دِ ملت رحمتِ پروردگار
مرکزِ اشفاق و خلت مصدرِ لطف و کرم — منبعِ احسان و رافت معدنِ علم و وقار
یاورش شد اندریں یعنے سمیع اللہ و نیز — حالی مرحوم و دیگر چند یارِ غمگسار
چوں وقارالملک و راجہ جیکشن مہدی علی — ہم چراغ الدین و زین العابدین نامدار
سید نیشاپوری یعنے محمد با حسن — بعد شاں آید بفرزندِ خودش اندر شمار
ہم نذیر احمد ازیں خیل است کز وے شد فزوں — درجہانِ عقل و دانش علم و فن را اعتبار
بست جا از ماہ پنجم بود در سن ہفتاد و پنج — بعد ہژدہ صد ز رفعِ عیسیٰ گردوں سوار
تا نہادش سنگِ بنیاد آسمانِ عز و جاہ — وائسرائے مملکت لارڈ لٹن والا تبار
یازدہ طلاب و ہفت استاد بودند اولا — کز وجودِ شاں ہنود درسگہ شد آشکار
خرج یک مہ ہفصد و پنجاہ بودش آں زماں — کاں گذشت امروز در اندازہ از چندیں ہزار

بارک الله خوشترین ساعتی که در دی طرح بست
بود حسن نیت سید رفیق حال او
تا دران می بینیم ایدون طالبان علم را
فیض تعلیمش که باشد عام بهر مسلمان
از نواح مسقط و ایران و هم ارض بلوچ
بهره های خویش بردند و برند از علم و فضل
طالبان علم کینک فیض می یابند ازاں
شش لک و هفتاد و پنجست این مانش ز الوف
وسعتش در دامن خود بس قصور دلنشین
سیونینگ باتث اش بطول و عرض خود در جمله هند
چنسلر نواب بیگم لارڈ ریڈنگ و ویسرا
نیست جنتش دخل آں بر ملکهای خویش صرفت
خاصه از طرف حکومت خاصه از سوی نظام
دیره از نواب والاشان شهر رامپور
هم نمیدارند از دام و درم چیزی دریغ
باز از اکناف عالم اکثر ارباب همم
بختیار انیکه از تعلیم وی حظ یافتند
لیک زاں جمعی که دارد در همه هندوستاں
هست محفوظ علی سید حسن حسرت ظفر
عبد رحماں سید سجاد حیدر هم شعیب
فرد عصر خویش و رسلورٹ زانها گشته اند
حضرت نواب نام آور حمید الله خاں
یارب این نیکو اساس علم و فن تا روز حشر
زنده دل جمعی که بخشندش نشاط زندگی
رحمت خود از کرم بفرست بر آن نازشاں

ایں بنای فرخی آثار و اصل افتخار
اندریں مقصد مگر با نصرت پروردگار
خیل خیل و جوق جوق و صف بصف بسته قطار
محض بر هندی نژاداں می ندارد انحصار
ور سواد اعظم افریقه و افغان دیار
زیر تعلیمش بهیچ خاص جمعی بی شمار
میرسد اعدادشاں تا پنج صد بر دو هزار
صرف یکساں تمام خود بفضل کردگار
میلها تا میلها وارد قطار اندر قطار
دارد اندر طول و عرضش افتخار و اشتهار
والی محمود آباد دست رکن باوقار
میرسد از همه ملکش عنایتهای بی شمار
خاصه از بهوپال داور بیگم گیهان مدار
کو دریں سلک عطا پاشی نشست در شاهوار
غیر ایں فرمانروایان دیگر ارباب وقار
میفزایند از قدوم خود مدامش اعتبار
جمله شاں را کی تواند کس که آرد در شمار
از وفور علم و فن با بی مثالی افتخار
آفتاب عهد ضیاء الدین و سیلو نامدار
مالک همدرد دیگر آں فرید روزگار
شفقت و عبد السلام و بهوندلی عالی تبار
در بهیم امین کو اکنوں هست مهر زرنگار
با همه دیار و دار خویش هاند برقرار
بهره ور بادا ز عمر و بخت خویشتن لیل و نهار
چشمها دارند بهرش از تو و رنج مزار

باشدش مسعود این پنجاہ سالہ جوبلی ۔ کامیابش دار از بہر لطف خود بالاختصار

بار مقرون اجابت این دعا یارا آمد
از مشیر نظم پرور نائب تحصیلدار آمد

دیگر

وہ عالی منزلت رکھتا ہے اپنے میہماں کالج
کہ جنکے فیض مقدم سے ہے رشک آسماں کالج

مبارک ہستی جسنے شان کالج کی بڑھادی ہے
خوشی سے جامہ میں پھولا سماتا ہے کہاں کالج

گوارا کی سفر کی زحمت آئے ملکوں ملکوں سے
وہ ہمدرد اپنے رکھتا ہے وہ اپنی قدرداں کالج

نہیں پنجاہ سالہ جبلی بنیاد کالج کی ؛
دکھاتا ہے یہ اپنی کامیابی کا سماں کالج

خدا اُس سید احمد دردمند قوم کو بخشے ؛
دلائیگا وہ لوگونکو یاد اُنکی جاوداں کالج

مسلماں اُنکے اس احسان کو بھولے نہ بھولینگے
ہے جبتک یہ علیگڈھ اور اسکے درمیاں کالج

دم اسکا بند رہتا ہے تو کیا جائے تعجب ہے
کہ قالب ہند ہے اور ہند کی روح رواں کالج

جہاں انکے طالبان علم کا مجمع یہ کہتا ہے ؛
کہ ہے وسعت میں اپنی عرصۂ ملک جہاں کالج

سنا تھا حال غرناطہ کی علمی درسگاہوں کا
اگر تعبیر اُن خوابوں کی ہے کوئی تو ہاں کالج

چھپے کیا کوئی منظر دلمیں آنکھوں نے کبھی کیونکر
کہ رنگ بنا جائے ہے یہاں کالج وہاں کالج

جو پوچھو کیا وہ شے ہے جذب مقناطیس ہے جسمیں
تو مہمانان کالج کہدیں ہو کر یکزباں کالج

دعا ہے یہ مشیر اپنی کہ روز افزوں ترقی سے
رہے قائم ہمیشہ ملے خدا کے انس و جاں کالج

الٰہی ملک میں ہو جلسے نام اسلام کا روشن
کرے تیار ایسے ایسے قابل نوجواں کالج

بڑھے توفیق و عمر و دولت اسکے سرپرستوں کی
رہے امداد سے اُنکی الٰہی دیرپا ہاں کالج

دعا تاریخ میں ادب دل مخاطب ہے کہ کالج ہی
تری بالا ہو شاں ہو نامور قومی نشاں کالج

مذاق شاعری لطف سخن کا یہ تقاضا تھا
جو یونیورسٹی کی جا ہو اردو زبان کالج

۳۵ — ۶۹ع

منظوم - از جناب محمد منظور احمد صاحب بدایونی سینئر وکیل عدالت دیوانی

قوم کو یارب مبارک ہو یہ جشن جوبلی
پھر انھیں آنکھوں سے دیکھے قوم روز افزوں بہار
تا قیامت دور دورہ اس جماعت کا رہے
آج آئے ہیں ضیاء الدین عالی وقار
آپ کے اوصاف اور الطاف ہیں سب پر عیاں
آپ ہیں اک شمع روشن محفل امید کے
قابل تحسین ہے جشن جوبلی کا انتظام
خیمہ و خرگاہ برپا تھے ہزاروں جابجا
ہر جگہ خدام حاضر مہمانوں کے لیے
اور ہوٹل مہمانوں کے لیے تھے جابجا
موسم سرما میں آب گرم کا تھا انتظام
اے خدا سید سراج الدین منصف کے لیے
انکے باعث جوبلی میں اپنی بھی شرکت ہوئی

پھر یہی آئے زمانہ پھر ہو قومی پارٹی
لطف باری سے رہی شاداب یونیورسٹی
روز دونی ہو ترقی روز دونی تازگی
جنکی ذات پاک سے قائم ہے قومی روشنی
آپ کے القاب سے واقف ہے ہر شیخ و صبی
آج ہے قومی فلک پر آپ ہی کی روشنی
راحت و آرام بیجا اور زحمت کی کمی
نیز صرف مہمانان تھیں سرائیں سبھی
اور ہر در پہ ہر اک لحظہ سواری تھی کھڑی
خوش مزہ خوش ذائقہ کھانوں کو کھاتے تھے سبھی
آپ کے حسن لیاقت کی بڑی شہرت ہوئی
کر عطا مہر درخشاں سے زیادہ روشنی
اور دیکھا ایسا منظر جو نہ دیکھا تھا کبھی

یہ دعا منظور کی مقبول ہو رب جلیل
تا ابد قائم ضیاء الدین و یونیورسٹی

نائب - از جناب محمد عبد الستار صاحب ایم اے حیدرآبادی

علیگڑھ علم اور اخلاق اسلامی کا مخزن ہے
سبق آموز ہے اس سرزمیں کا ایک اک ذرہ
صدا ایسی رہی ہے جوبلی آفاق میں ہر سو
قفس سے تن کے چھوٹیگا تو رفعت ہے مقام اسکا
جگر کاوی ہماری باعث تفریح ہوتی ہے

اخوت کا جو منبع ہے تو ہمدردی کا معدن ہے
شکایت کیوں ہو عاقل کو یہ نادانوں کا شیون ہے
علیگڑھ علم اور اخلاق اسلامی کا مخزن ہے
ازل سے شاخ طوبیٰ طائر جاں کا نشیمن ہے
خیال اک سماں پیدا نہیں ہے سیر گلشن ہے

کوئی پاتا ہے کعبے میں تجھے بتخانہ میں کوئی
کہیں طالب ترا زاہد کہیں جویا برہمن ہے
ترا دیر و حرم مسکن ترا خواہاں ہر اک بندہ
لقب اسکا کہیں راہب کہیں شیخ و برہمن ہے
عقیدتمند بنکر کیوں زیارت کو نہ سب آئیں
علیگڈھ میں فدائے قوم سرسید کا مدفن ہے

عبث ناشب کو یوسف کیطرح بدنام کرتے ہو
اگر وہ چاک دامن ہے تو سمجھو پاک دامن ہے

از حضرت ساغر نظامی سیمابی

آج ہم بھولی ہوئی اک داستاں کہنے کو ہیں
قصہ ماضی بصد حسن بیاں کہنے کو ہیں
جمع کرلیں ہم صفیران چمن اپنے حواس
حال نیرنگ بہار بوستاں کہنے کو ہیں
پھر حرم والوں کو دنیا ہے پیام اتحاد
برہمن کے بتکدے میں پھر اذاں کہنے کو ہیں
احتیاطاً اہل دل اپنے کلیجے تھام لیں
دلشکن روداد برق و آشیاں کہنے کو ہیں
فرصت یک لمحہ ہو یاران محفل التفات
مختصر تاریخ دور آسماں کہنے کو ہیں

خوں ہمی بارد ز شکست نالہ مجبور ما
می چکد لالہ ز ہر داغ دل رنجور ما

ہم وہ ہیں تھی دولت ہر دو جہاں جنکے لیے
سر جھکائے تھا زمیں پر آسماں جنکے لیے
ہم وہ ہیں ممتاز تھا جنکا زمانے میں وقار
عرش سے اترا تھا عیش جاوداں جنکے لیے
ہم وہ ہیں ہر بات جنکی تازم الہام تھی
نطق کے موتی اگلتی تھی زباں جنکے لیے
ہم وہ ہیں جو رونق آرائش تنظیم تھے
مضطرب تھیں انجمن آرائیاں جنکے لیے
ہم وہ ہیں جو منتظر تھے منظر اقوام پر
منتظر تھی شوکت ہندوستاں جنکے لیے

ہم وہ ہیں ہیبت سے جنکی بزم آذر سرد تھی
سلطنت جنکے حریم عیش کی اک گرد تھی

ہمکو وہ سطوت ملی تھی فطرت اسلام سے
اہل عالم کانپ جاتے تھے ہمارے نام سے
ذہن میں تھی اک تجلی فکر میں تھا اک عروج
دل ہمارا عرش تھا جبرئیل کے الہام سے
ہم نے پھر ترتیب دی ملت خلیل اللہ کی
نطق پیدا کردیا خاموشی اصنام سے
صبح کے انوار راتوں کو مہیا کر دیے
خود پرستوں کو نکالا ظلمت اوہام سے

اسقدر گہری نظر ڈالی مآلِ زیست پر — بے خبر دنیا کو واقف کر دیا انجام سے

مستعد تھے لب ہمارے ہم نوائی کے لیے
ہم پیامِ امن تھے ساری خدائی کے لیے

۴

اول اول ہم نے دیکھا ہیں کیا رایت بلند — آخر آخر ہو گئے سارے جہاں پر فتح مند
کونسی وہ سلطنت تھی جو نہ تھی زیرِ نگیں — کونسا تھا وہ فراز جسکے در وا نہ تھے بند
جب اٹھے تھے ہم اپنے مرکز سے بصد جاہ و جلال — قصرِ کسریٰ خود تڑپ کر آ پڑا زیرِ کمند
فطرت عرش آشیاں تھی جاذبِ اوج و عروج — تھی پہاڑوں کے سروں پر رفعت پائے بلند
حاملِ عزمِ ترقی کو کوئی دشواری نہ تھی — سو حیلے حیلے ہو سکتے تھے اور ہمت تھی دو چند

بہر قطرہ خون کے دریا بہا دیتے تھے ہم
ایک ذرہ کے لیے دنیا ہلا دیتے تھے ہم

۵

دفعتاً عیش و طرب کا سخت حملہ ہو گیا — منظرِ بیداریِ تقدیر دھندلا ہو گیا
دیدۂ بیدار پر غفلت کے بادل چھا گئے — مطلعِ خورشیدِ رفعت ظلمت آرا ہو گیا
دشمنوں نے دوست بنکر لے لیا ارثیات — سخت دھوکا کھا گئے ہم سخت دھوکا ہو گیا
عقل تو کھو ہی چکے تھے علم سے بھی ہادلی — جسمِ قومیت کا گویا تجزیہ سا ہو گیا
یوسفیت جسکے ہر ذرہ میں تھی وہ کارواں — یوسفِ بے کارواں کی طرح تنہا ہو گیا

آخرِ شب ساعتے ما را اجی محفل رسید
کشتیِ ما غرق شد چون بر لبِ ساحل رسید

۶

اب وہی ہم ہیں کہ ہر قوم ہم سے کینہ جو — اب وہی ہم ہیں کہ ہیں لب تشنہ صد آبرو
ہو چکیں برہم وہ بزمِ دوش کی کیفیتیں — ہم ابھی تک ہیں اسیرِ گردشِ جامِ سبو

نذرِ پستی کر چکے سامان ایوانِ نشاط | اور اب تک آسمان پر ہے دماغ آرزو
ہے نگاہوں میں وہی خوابِ شبِ عشرت ہنوز | گو پریشاں اب نہیں شانوں پہ زلفِ مشکبو
ہو چکا ہے حال ابتر ہے مگر باقی وہی | گردشِ جام و صراحی اور سیرِ آبِ جو

بے خودی ناواقفِ حالِ تباہی ہے ہنوز
بختِ خفتہ کو دماغِ پادشاہی ہے ہنوز

۷

قوم خفتہ اٹھ خدا کے واسطے بیدار ہو | ہو چکی ہے صبح منزل کے لیے تیار ہو
دینے آئی ہے نوید علم یونی ورسٹی | چل علیگڑھ میں سرورِ علم سے سرشار ہو
علم وہ سورج ہے کر دیتا ہے معمورِ ضیا | کوئی کتنا ہی اسیرِ ظلمتِ ادبار ہو
علم میں محفوظ ہیں اب تک وہ آثارِ قدیم | علم سے لے اگر اوجِ سلطنت درکار ہو
علم کہتے ہیں جسے وجہ شفائے روح ہے | چارہ فرما علم ہو جبکا وہ کیوں بیمار ہو

علم پھر وہ عالمِ رفتہ دکھا دے گا تجھے
علم پھر سلطانِ صد کشور بنا دے گا تجھے

۸

یہ وہ یونیورسٹی ہے جس سے ہے احیائے قوم | باغبانِ گلشنِ ملت چمن پیرائے قوم
یہ وہ یونیورسٹی ہے جو ہے کعبہ علم کا | ہے بنا نصفِ صدی کی سعی بہرِ استقلالِ قوم
درسِ اسلام و تمدن شرحِ تفسیر و حدیث | جتنے شعبے اسکے ہیں فی الجملہ ہیں اعضائے قوم
مرکزیت اسکو ایسی ہی اگر حاصل رہی | جمع ہو جائیں گے اک دن منتشر اجزائے قوم
ہے یہ مائل پستیوں کا رخ بدلنے کی طرف | اور تو اب تک ہے اس سے روکشیدہ لیلیِ قوم

قوتِ احساس عقیدت کی بڑھانا چاہیے
اپنے سجدوں سے اسے کعبہ بنانا چاہیے

سالہاسال سبق میں جو سبق اسنے دیئے	ہیں وہ سب درس مسرت ملک و ملت کیلیے
کر نہیں سکتا کوئی ذی ہوش بھی انکا شمار	قوم کے بچوں پر اس نے کسقدر احسان کیے
ہوگیا آخر وہ ساقی چمنستان حیات	اسکے سرچشمے سے دو اک جام ہی جینے پیے
علم سے محروم مایوس ترقی و عروج	زندگی برحق مگر ایسے جیے تو کیا ہے
کیوں نہیں ہے مرکز قومی محیط کائنات	ہیں محافظ علم یونیورسٹی کے زادے

لازمی ہے جاں نثاری علم و حکمت کے لیے
زندگی درکار ہے احیائے ملت کے لیے

۱۰

کاش پھر ہو محفل علم و عمل آراستہ	پھر جمائے رنگ اپنا خاطر برخاستہ
پھر کرے اقبال کا خورشید رخشاں رہبری	پھر ملے اس قوم کو منزل کا سیدھا راستہ
پھر نئی اک روح پھونکے زندگی کی احتیاط	پھر ہو صحت یاب قومیت کا جسم کاستہ
آبیاری خشک کھیتوں کی ہو ابر علم سے	کلبۂ ویراں بنے پھر گلبن آراستہ
کیوں نہ اب قومیت اسلام ہو رفعت پسند	ذلتیں کیوں اور حاصل ہوں خدا ناخواستہ

اے خوشا روزے کہ فکر عشرت فردا گئی
زندگی نوئے احساس فنا پیدا گئی ؟

۱۱

کہہ اٹھو ابر نیساں کی طرح دربار ہو	سطح عالم پہ چھانے کے لیے تیار ہو
ہستی فانی سے تو بیزار ہو جا وقت گر	ہاں نہ ایسا ہو کہ دنیا تجھ سے خود بیزار ہو
غاشیہ بردوش دنیا کو بنانا چاہیے	تجھ سے کس نے کہدیا ہے غاشیہ بردار ہو
خواب غفلت ساز تحفۂ التفات مال و زر	چند رہزن ہیں یہ تیری راہ میں ہشیار ہو
پھونک دے ماحول کی اپنے غلط سامانیاں	سوز دل سے آتش افگن مثل مے بیقرار ہو

خاک کردے یہ جمود افروز سامان حیات

صاف کر دے خرمنِ کہنہ سے میدانِ حیات

١٢

اے مسافر پاؤں اپنے جانبِ منزل بڑھا
حوصلے جو تنگ ہیں انکو بقدرِ دل بڑھا
تیرے نامحدود جلوے کیوں ہیں محدود قویٰ
آئینہ زارِ عمل میں جوہرِ قابل بڑھا
مرکزِ موجود سے بڑھنے کی سعی و فکر کر
جہانِ فانی میں مذاقِ ہستیِ کامل بڑھا
پھیل کر اجرامِ ثقیل اندوز ہے اپنی طبیعت
ہے جو آسانی کا جویا وسعتِ مشکل بڑھا
دیکھ رنگِ محفلِ عالم سے تغییر آشنا
اُٹھ کہ سحر ہونے کو ہے شمعِ سرِ محفل بڑھا

گوشہ گوشہ میں شعاعِ مہر بن کر پھیل جا
دھوپ سے پہلے ہر اک دشت و چمن پر پھیل جا

اجلاس دوم

غزلیات

مصرع طرح

یہی ذرے اُڑا لیجائینگے اکدن بیاباں کو

ابر - جناب احد علی صاحب قدوائی

سمجھتا ہوں متاعِ دردِ جاں غمہائے پنہاں کو
ہیں خوں ہی دوست رکھتا ہوں ستم ہائے فراواں کو

نشاطِ عشق دردآگیں مگر سرمایۂ غم ہے
لہو روتے ہوئے دیکھا ہے ہنستے زخم خنداں کو

محبت میں نئی صورت عداوت کی ہوئی پیدا
غمِ دل دیکھ سکتا ہی نہیں ہے جسم میں جاں کو

نگاہِ ناز قاتل سے توقع رحم کی توبہ
حریفِ ناوکِ لذت نہ ہوتا ہی نہ تھا جاں کو

رضا جوئے مزاجِ دوست ہوں تو یہ گلہ کیسا
سمجھتا ہوں نشاطِ زندگی ہیں زخم خنداں کو

اخوت رشتۂ اسلام ہیں اک رازِ وحدت ہے
یہ شیرازہ بہم کرتا ہے اجزائے پریشاں کو

نہ چھیڑو تم مجھے للہ میرا منہ نہ کھلواؤ
بس اب رہنے ہی دو اپنے تبسم ہائے پنہاں کو

ارے او مرگِ حسرت خیز دے اک آہ کی فرصت
رہا تھا کوئی زنداں میں رہے تو یادِ زنداں کو

اودھر ہے آتشِ غم ابر ادھر سیلابِ اشکوں کا
دلِ بریاں کو دیکھوں یا میں دیکھوں چشمِ گریاں کو

آثم - جناب ایوب احمد صاحب قادری - بی - اے - ایل - ایل - بی

(علیگڑھ)

نئی یہ دل لگی سوجھی ہے میرے زخم خنداں کو
تہِ دامن چھپا بیٹھا ہے صدہا سوزِ گریباں کو

ابھی چھیڑے نہ وہ میرے جنونِ فتنہ ساماں کو
بیاباں دے ذرا وسعت ابھی تنگیِ داماں کو

ازل میں آ گئی تھیں جو پسند اس حسنِ پنہاں کو
اڑا لائیں وہی نیرنگیاں تصویرِ جاناں کو

مرے اشکِ ندامت نے مری شانِ گنہ رکھ لی
کہ اس نے دھو دیا محشر میں میری فردِ عصیاں کو

پڑی جب تیغِ یار اوچھی - مری جاں ہو گئی قرباں
بھلا یہ دیکھتی کس طرح اس روئے پشیماں کو

عیاں ہو ہی گئے جلوے ادائے پردہ داری میں
بناتے رازِ پنہاں آپ کیونکر حسنِ تاباں کو

ہوا اب پر تو پروانہ فدا - تم نے یہ سوچا بھی
فنا کس پر ہوئی وہ - کیا ہوا شمعِ شبستاں کو

مرے دل کو نہ بت خانہ سمجھ اے زاہدِ خود بیں
چھپائے ہوں ہیں اس میں جلوہ ہائے حسنِ پنہاں کو

نہیں کیا یاد اس کے فصلِ گل کی وحشت انگیزی
رفوگر سی رہا ہے کیوں مرے چاکِ گریباں کو

ہیں اسے ناصح - ہوا آزادِ قید و بند ذی ہوشی
مجھے کہتا ہے تو مجنوں کہوں کیا تجھ سے ناداں کو

بس اتنے کے لئے سودائے سر مینے خریدا ہے
سنینگے حشر میں تو وہ مرے حالِ پریشان کو

نہ حسرت دل کی نکلی اپنی عمرِ بیوفا سے کچھ
قضا ہی گر نکالے تو نکالے اس کے ارمان کو

یہ اسکی آرزو ہے اسکا ارمان اس کی حسرت ہے
نہ کھینچ اسے ناوک افگن میرے دل سے اپنے پیکان کو

بھلا تم میرے ضبطِ چشم و دل کی داد کیا دوگے
یہ وہ ساغر ہیں جو روکے ہوئے ہیں بحرِ طوفان کو

عدوئے کور باطن کیا محاسن اس کے سمجھیگا
غزل آثم کی خوش آئیگی حسرت سے سخندان کو

حضرت اخضر صاحب

عجب دلچسپ گلدستہ بنایا ہے بیابان کو
لہو سے سینچتے ہیں آبلے خارِ مغیلان کو

خدا جانے ہوا کیا ہے ہمارے زخمِ خندان کو
یہ ہنس ہنس کر کیا کرتے ہیں شرمندہ نمکدان کو

لگا رہنے نہ دو دامن سے تم خونِ شہیدان کو
پکڑ لینگے یہی مظلوم محشر میں گریبان کو

شفق پھولی ہوئی ہے چار سو خونِ شہیدان کو
بنایا آسمان اس نے زمینِ کوئے جانان کو

محبت نام اسکا ہے محبت اسکو کہتے ہیں
کلیجے سے لگا رکھا ہے ہم نے نوکِ پیکان کو

کبھی میں ٹانکتا ہوں جیب کو خارِ مغیلان سے
رفو کرتا ہوں کانٹوں سے کبھی چاکِ گریبان کو

وہ اپنے مرنے والوں کی الگ بستی بساتے ہیں
بہت آباد کرتے رہتے ہیں شہرِ خموشان کو

کیا ہے داغہائے دل کو روشن دامنِ دل میں
بجھا سکتی نہیں آندھی چراغِ زیرِ داماں کو

یکایک ہو گئی فرصت مجھے دنیا کے جھگڑوں سے
نہیں بھولونگا مرگِ ناگہان تیرے احسان کو

ہمیشہ پھوٹ کر روتے ہیں اپنے پاؤں کے چھالے
یونہی سرسبز کرتے رہتے ہیں سارے بیابان کو

نگاہِ ناز قاتل کر دیا دقتِ ستم تو نے
خدنگِ جانستان کا دل کو نشتر کا رگِ جان کو

خدا طاقت زیادہ دے ہمارے دستِ وحشت کو
کبھی یہ چین سے رہنے نہیں دیتا گریبان کو

زمین پر گرتے ہیں لختِ جگر آغوشِ مژگان سے
بھلا سمجھائے کوئی کسطرح اطفالِ نادان کو

کہو احباب سے اب خاک ڈالیں میری میت پر
کفن کی جستجو رسوا کریگی جسمِ عریان کو

کیا کرتے شرمندہ میرے اشکِ خونچکان اخضر
کبھی یاقوتِ رمانی کبھی لعلِ بدخشان کو

اصغر۔ جناب اصغر حسین صاحب ہیتوروی۔

کوئی بھر بھر کے پھر دامن میں خاکِ کوئے جانان کو
فراہم کر رہا ہے دیکھ اجزائے پریشان کو

وہ اسرارِ فنا کی گتھیاں کیا خاک سلجھائیں گے
نہ سمجھے زندگی کے جو اشاراتِ نمایان کو

نہ کر برباد دنیائے تصور اے غمِ ہستی
مری آنکھوں میں رہنے دے اسی خوابِ پریشان کو

میں وہ اے شامِ غم دیوانۂ فرقت کا قائل ہوں
گریبانِ سحر سمجھا ہلالِ عیدِ قربان کو

دل دیوانگانِ عشق کا پرتو ہے ہر ذرہ
نگاہِ غور سے دیکھو اگر صحرائے امکان کو

نظر کر کر دیا کیوں محوِ حسنِ ماسوا یا رب
بنانا تھا اگر صورت پہ اپنی شکلِ انسان کو

برابر ہو رہی ہے بارشِ انوار گوناگوں
اٹھائے اب کوئی کیونکر حجابِ چشمِ حیران کو

سلامت لذتِ آزار اب پروا نہیں کوئی
تری اک کم نگاہی لاکھ نشتر ہیں رگِ جان کو

کہاں اس منزلِ ہستی میں دم لینے کی بھی فرصت
نفس ہے تازیانہ توسنِ عمرِ گریزان کو

ہماری کم نگاہی وجہ تکلیفات ہے ورنہ
لیے ہے گود میں ہر شامِ غم اک صبحِ خندان کو

وصال و ہجر تک محدود ہے وسعت خیالوں کی
جسے دیکھو لیے بیٹھا ہے اپنے ساتھ زندان کو

یہاں تک تنگ خاطر وحشت مجھے منظور ہے اصغر
خود اپنے خانۂ دل میں اٹھا لایا بیابان کو

افسر۔ محمد بشیر الدین اورنگ آبادی تلمیذ نواب فصیح الملک بہادر داغ دہلوی مرحوم

نکلنے دیں گے ہم ہرگز نہ دل سے تیرے پیکان کو
بھرے گھر سے نکالا ہے کسی نے اپنے مہمان کو

جو دیکھے چشمِ عبرت سے ذرا گورِ غریبان کو
نظر آ جائیگا انجام خود ہر ایک انسان کو

ہماری خاک کو گردش میں رکھا بعد مرنے کے
یہاں سے ہے پرانی دشمنی گردونِ گردان کو

تمہاری تیغ ابرو کا ہوا ہے تیغ پر دھوکا
لگایا ہے گلے سے ہمنے ہر شمشیرِ عریان کو

جو سوکھا زخم کوئی کی دہائی سینے نمک پاشی
لیے پھرتا ہے قاتل ہاتھ میں اپنے نمکدان کو

ترے مجنون نے فرطِ ضعف میں کی خوب ہشیاری
گرایا آنسوؤں کی رو سے دیوارِ زندان کو

نزع میں بیٹھے بیٹھے درد کا رہ رہ گئے اے قاتل
نکال آہستہ آہستہ ہمارے دل سے پیکان کو

بہل جاتا ہے دل داغ جگر سے داغ سینہ سے
کلیجے سے لگا رکھا ہے ہمنے اس گلستاں کو

گیا ہے نقد دل ہاتھوں سے لیکن ہاتھ میں انکے
گوارا کر لیا ہے ہمنے اس سودے میں نقصاں کو

دل مجروح کی اس سے ذرا تسکین ہوتی ہے
ہوا دیتے ہیں وہ دامن سے اپنے زخم خنداں کو

جگہ دیتے ہیں ہم ہر وقت اپنے خانۂ دل میں
تمہاری تیغ ابرو کو تمہارے تیر مژگاں کو

نگاہیں شعلۂ باراں کی تبسم برق پاش انکا
جلا کر خاک کر دینگے ہمارے خرمن جاں کو

تحمل کی نہیں طاقت یہ اب تو حد سے باہر ہیں
سنبھالوں مضطرب دل کو کہ روکوں چشم گریاں کو

تصور ہے بت کافر کا دل میں کہتے ہیں ناصح
جگہ کعبہ میں کیوں دی ہے عدوئے دین و ایماں کو

منقش ہے ہمارے دل پہ نقش انکے کرنے کا
فقط تسکین وہ کچھ جانتے ہیں عہد و پیماں کو

مسیحا نے دوائے خواب آور دیکے بہلایا
جو دیکھا چین آتا ہی نہیں بیمار ہجراں کو

بجا ہے ہند کو یہ فخر ہیں اہل کمال اس میں
سنا کرتے تھے اقرابؔ تو دیکھا ہے سخنداں کو

بسمل ۔ جناب ممتاز صاحب عظیم آبادی

کچھ ایسی خون رونے کی ہے عادت چشم گریاں کو
کہ اب گلچیں کا دامن جانتا ہوں اپنے داماں کو

اٹھا کر دھجیاں وحشت لیے جاتی ہے دامن کی
نوید انتظار شوق دو خار بیاباں کو

چلی گردن پہ جب شمشیر گردوں پر شفق پھولی
فلک نے لے لیا آغوش میں خون شہیداں کو

تری چشم غلط انداز اور اسکی کشش اللہ
نشانہ خود ہوا دل دیکھکر انداز پیکاں کو

اسیر دام الفت ہوں مگر مجنون فطرت ہوں
قفس کی تیلیوں سے جھانک لیتا ہوں بیاباں کو

ہو یارب ان سے برہم بزم سوز و ساز ہستی کی
اکٹھا کر رہا ہوں کچھ خیالات پریشاں کو

کہو آوارگان عشق سے لیں جگہ میری
کیے جاتا ہوں خالی آج میں آغوش زنداں کو

نہ پوچھو حال بسمل میرے دل کی بے نیازی کا
بنا ہے بے سر و ساماں لٹا کر سارے ساماں کو

بیخود ۔ جناب مولوی اشفاق حسین بی ۔ اے (علیگڑھ)

کہاں تک روکتا کوئی جنون فتنہ ساماں کو
گریباں تو گریباں لے اڑا تار رگ جاں کو

شب غم کی وہ الجھن بھی قیامت ہو اسے توبہ
خدا یہ دن نہ دکھلائے تری زلف پریشاں کو

مصیبت ہی سے گر منظور میری آزمائش ہے
بدل کر دیکھتے ہو کیوں مری مشکل سے آساں کو

دکھاؤں میں تجھیں آ دل پہ آرزو اپنا
گلے نسیے پوچھتے ہو خاک روداد گلستاں کو

خودی کا راز پایا ہم نے محو بیخودی ہو کر
حقیقت کھل گئی اپنی جو دیکھا روئے جاناں کو

ہمیں لطف رہائی ہو گیا حاصل اسیری میں
جہاں سر پھوڑ کر دیکھا در و دیوار زنداں کو

نکلجا ہیں کوسوں ورد دنیائے تخیل سے
کوئی سمجھے گا بیخود کیا مرے جذبات پنہاں کو

بیخودی - جناب محمد مجید اللہ خان صاحب بیرسٹر ایٹ لا

اب آگے دیکھیے جوش جنوں کیا گل کھلاتا ہے
بہار آتے ہی ہم نے چاک کر ڈالا گریباں کو

عذاب ایزدی روز قیامت دیکھئے کیا ہو
اگر اشک ندامت نے نہ دھویا گرد عصیاں کو

دل و جان بیخودی کیونکر بچے جائے تعجب ہے
کیا جب آہ سوزاں نے مثال موم سنداں کو

تاج - جناب سید فضل کریم صاحب الہ آبادی

سمجھتے تھے جو بے رنگت کبھی خون شہیداں کو
وہی رہ رہ کے اب کیوں دیکھتے ہیں اپنے داماں کو

ذرا دیکھے تو کوئی غمزدوں کے ساز و ساماں کو
کہ ہر داغ جگر شرما رہا ہے ماہ تاباں کو

دعا دوں کیوں نہ اپنے دیدۂ خوننابہ افشاں کو
بنایا رشک صد گلزار جس نے میرے داماں کو

نہ کر برباد ظالم دل کے اجزائے پریشاں کو
یہی ذرے اڑا لیجائینگے اک دن بیاباں کو

خداوند یہ کیا سوجھی ترے کم عقل انساں کو
کہ بیداری سمجھتا ہے وہ اک خواب پریشاں کو

بہار بیخزاں ہو جسکے آگے ایک ایک پھول پر قرباں
جگہ دوں اپنے دل میں کیوں نہ ہوا ایسے گلستاں کو

یہ لطف زندگی ہے چارہ گر تو اسکو کیا جانے
ارے ظالم کلیجے سے نہ میرے کھینچ پیکاں کو

خدا ترسی محبت حسن اخلاق ادا ہمدردی
یہی باتیں وہ ہیں انساں بناتی ہیں جو انساں کو

چھڑانے سے کہیں چھٹتا دالفت گھر کی چھٹتی ہے
دعا دیتے ہیں ہم کنج قفس میں بھی گلستاں کو

نگاہ واپسیں سے کس نے دیکھا تھا خدا جانے
کہ اب تک اک جنبش ہے در و دیوار زنداں کو

کھلے ہیں کیسے کیسے قدم کے گلہائے رنگا رنگ / خدا سرسبز رکھے تا قیامت اس گلستان کو

نہ کیوں ہو سربلندی تاج دنیا میں تمھیں حاصل
کہ تم وہ چیز ہو سلطان بناتی ہو جو سلطان کو

تبسم - جناب نظامی صاحب سیمابی (علیگڈھ)

سنائے مختلف نغمے ہلاکت کے بیابان کو / مری وحشت نے چھیڑا خار سے سازِ رگِ جان کو
ذرا ڈھونڈے سے اگر زحمت نہو گر دِ بیابان کو / کہیں کانٹوں میں الجھا چھوڑ آیا ہوں گریبان کو
ضرورت تھی نہ ایسی عالمِ فانی کی انسان کو / خرابِ عالمِ صورت کیا اک نقشِ حیران کو
تری تصویر آتی ہے نظر اوراق گلشن میں / ترے گیسو سمجھتا ہوں بہارِ سنبلستان کو
مذاقِ عشق اور جینے کی حسرت کیا سمجھ سے / کہ جینا تھا تو دل کیوں دیدیا اس دشمن جان کو
ٹھکانے ڈھونڈتا پھرتا ہوں اپنی نامرادی کے / ضرورت کسقدر وحشی بنادیتی ہے انسان کو
وفا آئینِ خودداری میں مشکل ہے تو بیخود میں / کسی اک ننگ پر مجبور کر فکرِ پریشان کو
وہ یوسف قید ہے جو ذمہ دارِ حفظِ عصمت تھا / ذرا تو شرم آنی چاہیے دیوارِ زندان کو
نظر آتی ہے تصویرِ سحر دشت سے کنارون پہ / الٰہی اور وسعت دے سوادِ شامِ ہجران کو
مناسب ہو کہ تم وحشت نگار آنکھوں کو سمجھالو / ابھی میں روک بھی سکتا ہوں آشوبِ گریبان کو

تبسم لوگ ہنستے ہیں مری چاکِ گریبان پہ
کوئی کچھ بھی نہیں کہتا جنونِ فتنہ سامان کو

حیرت - جناب قاضی عبدالواسع صاحب (گوالیاری)

گئے لیتے ہوئے ثابت حشر میں خونِ شہیدان کو / خدا کے سامنے دیکھو نہ تم رہ رہ کے دامان کو
جنوں میں بھی کیا رسوا نہ اس غارتگرِ جان کو / چھپا کر رکھ لیا دامن میں ہر تارِ گریبان کو
قفس میں بلبلِ ناشاد کے آنسو نکل آئے / چمن کی سمت گرتے دیکھ کر برقِ درخشاں کو
ترا وحشی جہاں جاتا ہے پھر دل یاد کرتا ہے / گلستان میں بیابان کو بیابان میں گلستان کو

حقیقت کھل نہ جائے حسن کی معلوم ہو جائے
بنا لیں آئینۂ حیرت وہ میری چشم حیران کو

داؤد - جناب داؤد احمد صاحب (علیگڑھ)

تصور نے دکھایا یاس میں جب روئے ارماں کو
بنایا غیرتِ صبحِ وطن شامِ غریباں کو

جدا کیسے کروں اسے ناوک افگن دل سے پیکاں کو
یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا نکالوں گھر سے مہماں کو

طلوعِ صبح کا دھوکا ہوا گھبرا کے اٹھ بیٹھا
جو دیکھا خواب میں اسنے مرے چاکِ گریباں کو

بہار آئی ہوا پھر جامۂ گل پیرہن اپنا
کیا دستِ جنوں نے پرزے پرزے جیب و داماں کو

حقیقت کو سمجھنا سہل سمجھا ہر کس و ناکس
اسی نے کر دیا وقفِ کشاکش کفر و ایماں کو

تمہارے قیدیوں کو ناز ہے آزادیٔ دل پر
لئے بیٹھے رہو اپنے در و دیوارِ زنداں کو

ہماری بے نوائی ہم نوائے شانِ کسریٰ ہے
عروجِ آسماں حاصل ہو سرسید کے ایواں کو

وہ مقتل سے تو اے داؤد ہیں ہنستے ہوئے جاتے
نہیں دیکھا ہے دامن میں ابھی خونِ شہیداں کو

ساغر - جناب نظامی صاحب سیمابی (علیگڑھ)

فرشتے جمع کر لیں میرے اجزائے پریشاں کو
کہ پھر ترتیب دینا ہے حیات و دورِ انساں کو

شرارے آہ آمادہ ہیں ان کو کھینچ لانے پر
ستارے قید کرنے جا رہے ہیں ماہِ تاباں کو

مری وحشت ہوا اب اندازۂ احساس سے باہر
کہ میں آگے بلا میں بند کرتا ہوں بیاباں کو

بہت برباد ہو دل بیداریٔ جذباتِ رنگیں سے
الٰہی نیند قسمت کی عطا کر چشمِ گریاں کو

مجھے ہے اعتراف اپنی شکستِ طبعِ موزوں کا
کہ میں دیکھا کیا تیرے خرامِ شعر ساماں کو

ارے او فتنہ زا او نغمہ گر او ابر بط ناطق
نگاہِ مست سے جنبش نہ دے تارِ رگِ جاں کو

زمیں سے آسماں تک کفلِ ارواح قائم ہے
حقارت سے نہ دیکھو رقصِ ذراتِ پریشاں کو

کچھ دنوں سے درختوں پر گھر آئی چاندنی ساغر
پھر الہامِ شبی نے کر دیا روشن بیاباں کو

جناب حضرت سیماب اکبرآبادی

چھپا رکھا ہے یوں دل نے وقارِ حسنِ جاناں کو
محبت جس طرح محفوظ کر لیتی ہے ایماں کو

نہ اپنی گل بدامانی پہ نازش ہو گلستاں کو
سوادِ دشتِ ازل نے سبز رکھا ہے بیاباں کو

سمجھتا ہوں جہانِ رنگ و بو ہر برگِ بستاں کو
ابھی سمجھا کہاں ہے تو مرے آئینِ عرفاں کو

تبسم چھیڑتا کیوں ہے دلِ ناکامِ ہجراں کو
قیامت ہے ذرا سی ٹھیس جذباتِ پریشاں کو

مذاقِ سنجیدگی میں ماسوا اک وہمِ باطل ہے
خودی نے خود نمایاں کر دیا ہے ذاتِ انساں کو

تلاشِ یار میں راہِ طلب کا ترک بدعت ہے
یہی اک راستہ جاتا ہے سیدھا کوئے جاناں کو

قدامت ہو گی اس درجہ متروکات میں داخل
جنوں بھی اس زمانے میں نہیں چھوتا گریباں کو

اگر تو نظر تسکین ہے ذوقِ تجسس کی
کسی مرکز پہ لا اپنے خیالاتِ پریشاں کو

چراغِ داغِ عصیاں کی جگہ تجویز کرتی ہے
کہاں تک پھیلنا ہے رحمتِ بالیدہ داماں کو

تلاشِ فلسفہ اخراجِ آدم کو غلط کر دے
مٹانا چاہتا ہوں اپنے افسانے کے عنواں کو

بہت تکلیف دی شبنم کو اے انجامِ شب تو نے
ہوا کیوں نہ تارے کر دیے پھولوں کے داماں کو

الٰہی دور تک دنیا کو کیوں پھیلا دیا تو نے
مری آنکھوں میں رکھ دینا تھا اس خوابِ پریشاں کو

بغیرِ قصد نغمے درد کے تا صبح سنتا ہوں
کوئی پچھلے پہر سے چھیڑ دیتا ہے رگِ جاں کو

مزاجِ رنگ و بو بارِ لطافت سے چمکتا ہے
کوئی آغوش میں لے لے زمینِ گل بداماں کو

سکوں پیدا ہوا اے سیماب ساحلِ عمرِ فانی کا
پہونچتے ہی یہاں اک نیند آ جاتی ہے انساں کو

جناب حضرت شوکت صاحب متعلم علیگڑھ یونیورسٹی

یہ کی تقسیم یوں ٹھہرا دیا ہر ایک مہماں کو
جگہ دی دل میں حسرت کو جگر میں تیر و پیکاں کو

ہمارے ہاتھ کو لپکا ہے دامن چاک کرنے کا
حفاظت سے ذرا رکھیے قیامت اپنے داماں کو

خطر ہے دستِ وحشت سے گریباں جانکر میرا
کہیں یہ چاک کر ڈالے نہ ان کے جیب و داماں کو

ابھی دامن دل سے مرے داغِ گنہ دھو دے
تصدق اپنی رحمت کا مٹا دے جرم و عصیاں کو

شکایت کرتے پھرتے ہو جو شوکت اس کے ظلم کی
دیا تھا سوچ کر کیا تم نے دل اس آفتِ جاں کو

ضیا۔ حضرت مولانا ضیا قادری بدایونی

رسائی ذات واجب تک کہاں تھی نوع انساں کو
بنایا تم نے بزم عرش منزل بزم امکاں کو

دکھانا تھا ازل میں طلعت سلطان خوباں کو
یہ قدرت نے خود اُٹھا نقاب روئے تاباں کو

ہوئی نسبت تو تجھ سے کسی کے لطف پنہاں کو
غنیمت حشر میں ہم جانتے ہیں اپنے عصیاں کو

تصور دل میں آیا خیال روئے جاناں کو
فرشتے لیکے اترے عرش سے کعبہ میں قرآں کو

حسین بدر کے محفل میں آتے ہی سویرا تھا
لیا شمع سحر نے زیر دامن ماہ کنعاں کو

سراپا ہوں میں فانوس خیال کثرت و وحدت
جہاں میں دیکھتا ہوں خود کو خود میں نور یزداں کو

کھچا ہے دائرہ پیش نظر یہ کس کے ابرو کا
ہے سیر حلقۂ تو سبق حاصل چشم حیراں کو

بجائے تکمہ عکس ناخن پائے مبارک ہے
سمجھتا ہوں ہلال عیدین اپنے گریباں کو

دل تاریک اپنا اور خیال مصحف عارض
ملا کیا خوب جزدان غلاف کعبہ قرآں کو

تجلی رخ انور نے آنکھوں کو کیا روشن
بنایا شاخ نخل طور ہر اک موئے مژگاں کو

مرے پائے نظر کو یہ جنون رہ نوردی ہے
حرم کی راہ سمجھے کوچۂ چاک گریباں کو

شفاعت کی سند روز جزا ہوگی صلہ اس کا
کہیں اشک ندامت دھو نہ دینا فرد عصیاں کو

عجب جوش ولا ہے ہر قدم پر دشت بطحا میں
لگا لیتے ہیں دل سے آبلے خار بیاباں کو

ہے بارش جلوہ ہائے گنبد خضرا کی سبزہ پر
حیات خضر پانی دے رہی ہے باغ رضواں کو

ہوا ہوں خیر مقدم رہ نوردِ دشت طیبہ کا
بگولے شوق میں سر پر اُٹھا لائے بیاباں کو

ہے زلف صاحب واللیل کو یہ برہمی مجھ سے
کیا شرمندۂ تعبیر کیوں خواب پریشاں کو

وہ گل بوٹے وہ روضہ کا چمن جب یاد آتا ہے
یہی جی چاہتا ہے دل میں رکھ لوں اس گلستاں کو

ضیا نعت نبی کا چاہتا ہے یہ صلہ یارب
نوید مغفرت دے تیری رحمت منقبت خواں کو

ضامن۔ از حضرت ضامن

تزلزل ہے زمیں کو اور جنبش عرش یزداں کو
کہ قاتل کھینچتا ہے سینۂ بسمل سے پیکاں کو

گل رخسار کے سودائی نے نقش کف پا سے — بنایا تختہ گلزار داماں بیاباں کو

جنوں خیزی یہ تیرے حسن نے کی آسماں بھی — نہ ثابت رکھ سکا دو دن ہلال اپنے گریباں کو

نقاب رخ سے ظاہر انکے رخسار کا جلوہ ہے — گلو نکے رنگ نے توڑا ہے دیوار گلستاں کو

کشش دی لگی اور انکا زور بازو کھل ہی جائیگا — نکالیں تو وہ آکر سینۂ بسمل سے پیکاں کو

ترقی کی حسینوں نے بھی وضع عاشقانہ سے — سبے ہیں پھول غنچے پھاڑ کر اپنے گریباں کو

جو ہر دم تفرقہ اپنو نہیں رہنا نامناسب تھا — گلے ملوا دیا دست جنوں نے جیب و داماں کو

گریباں گیر ہے کوئی نہ دامنگیر ہے کوئی — رہا کیا خوف محشر میں کسیکی تیغ عریاں کو

گریزاں جسم سے ہو روح آخر کیوں نہ پیری میں — خزاں آتے ہی بلبل چھوڑ دیتی ہے گلستاں کو

اثر اپنا دکھایا نالۂ شبگیر بلبل نے — سحر ہوتے ہی گل نے چاک کر ڈالا گریباں کو

ہوا دل مطمئن پا کر جگہ اس گل کی زلفوں میں — پریشاں سے ملا آرام ضامن اس پریشاں کو

بچے تعقیب سے اور حشو سے کیونکر کوئی ضامن
ردیفوں میں جو غزلوں کی یونہی رکھیں سخنداں کو

طالب - جناب مولوی سید طالب حسین صاحب فردلی اچھوتانہ

بہت گہری نظر سے میں نے دیکھا جسم کو جانکو — کہ وہ کیا چیز ہے جس سے شرف ہے نوع انسانکو

سدا سے اختلاف قومی دہلی چلا آیا — مگر سب متفق ہیں ہے شرف انسان ذیشانکو

مگر اس جستجو کی دھن میں در در پھر کے میں آیا — بجشن جوبلی دیکھا علیگڈھ کے دبستانکو

مجھے اس جشن کی ہنگامہ آرائی سے کیا مطلب — نہ ذوق سیر کا بھوکا جو دیکھوں ساز و سامانکو

اسی گہری نظر سے میں نے دیکھا اہل جلسہ کو — لباس و گفتگو طرز نشست و صورت و شانکو

سنا ہمدردی و اصلاح قومی کا ہے یہ جلسہ — یہی ہے وہ غرض لائی جوان حضرات ذیشانکو

یہاں ہیں مصلحان قوم و ہمدرد بنی آدم — الٰہی دے ثبات و صدق برلا انکے ارمان کو

سنوارے قوم کے باغ حیات و آس کی کلیاں — معطر کر دو تم کھل کے مشام اہل دوران کو

ہوائے خلق نیک و آب افعال مطہر سے — بنو ایسی کہ گلدستہ ہو تم طاق احسان کو

سراپا حسن اخلاق و عمل سے ہو اگر مزین — تو پھر جو سوٹ ہو دکھلائیگا زیبائی کی شانکو

اگر ایسا نہ ہو رسوائی دنیا و عقبیٰ ہے ۔۔۔ یہی تہذیب و فیشن ہوگی باعث عار و خسرانکو
مجھے اب قوم کی خدمت میں بھی کچھ عرض کرنا ہے ۔۔۔ یہ گنج بے در و دربان ہے بھر لو جیب و دامانکو
تمہارا ہی زر و نقرہ ہے اس ٹکسال میں آکر ۔۔۔ قبول عام کا سکہ بنا صراف دوران کو
رہے ہمت تمہاری تم نے یہ بیڑا اٹھایا ہے ۔۔۔ تمہارے دست و بازو پر ہے نازش آفرین خوانکو
تعصب برطرف ہر قوم و ملت کو صلا دیدو ۔۔۔ کہ یہ خوان کرم ہے ذائقہ رکھتا ہے مہمانکو
سخن نقد ملامت اور خموشی مایۂ رحمت ۔۔۔ معافی کا ہوں طالب حق ہے کیا ناخواندہ مہمانکو
بڑی مہمان نوازی ہو اٹھا کر ہاتھ اگر کہدو ۔۔۔ الٰہی ساتھ لیکر جائیے یہ دنیا سے ایمانکو

برائے نام طالب ہے بنا دے طالب صادق
حریم دل میں پہونچا دے دکھا دے شاہد جانکو

محو جناب قاضی نعمان جلالی صاحب مرادآبادی متعلم انٹرمیڈیٹ کالج علیگ

بحمداللہ کہ فیض فطرت غالب شد ازراکم ۔۔۔ گہے ... شگفتن میکند باغ بداماغم
بجان شوقے زحد بیرون بدل ذوق فرادانم ۔۔۔ کنون خاموش بنشینم کہ باللہ سخت نادانم

دہم از دست این راہ مجوج باز سے بویم
بمیر کاروانم قصۂ یار سفر سے گویم

ہمارے کلیۂ احزان میں علم و فضل مہمان تھا ۔۔۔ ہمارا گلشن حکمت کبھی صد رشک یونان تھا
اسی اجڑی ہوئی بستی میں تربیت کا ساماں تھا ۔۔۔ خزانہ ذوق علمی کا ہمارے دلمیں پنہان تھا

ہمارے خواب کی کیا خوب تعبیریں نکل آئیں
سنورنے کی ہمارے لاکھ تدبیریں نکل آئیں

علیگڈھ ہی جواہر پارے تربیت کا معدن ہے ۔۔۔ علیگڈھ فن و دانش کا عجب شاداب گلشن ہے
علیگڈھ میری تہذیب حجازیہ کا مسکن ہے ۔۔۔ علیگڈھ علم اور اخلاق اسلامی کا مخزن ہے

علیگڈھ ہی پہ افضال خداوندی کا سایہ ہے
علیگڈھ ہی میں علم اور خلق اسلامی کا احیا ہے

نوٹ! چونکہ یہ نظم ... میں حاصل ہوئی ہے لہٰذا بسلسلہ نظمیات شائع نہ ہوسکی؟

ہوا سرسبز یہ گلشن ز فیض رحمت باری   اسی سے چشمہائے علم ہر سو ہوگئے جاری
اسی سے رعب ملی دشمنوں پر ہوگیا طاری   اسی کی تو تو نسے اپنے دشمن ہوگئے عاری

خدا سرسبز رکھے ہوا خواہوں کے گلشن کو
خدا آباد رکھے اس تمناؤں کے خرمن کو

اخوت اور محبت کا ہماری پاسبان ہے یہ   ہمارے جوش ملی کا حقیقی ترجمہ ہے یہ
ہمارے اقتدار ماضیہ کی داستان ہے یہ   ہمارے سطوت و جبروت کا زندہ نشان ہے یہ

ہماری خشک کھیتی سبز ہوگی ابر رحمت سے
دُر مقصود پائیں گے اسی دریائے حکمت سے

ظفر۔ جناب محمد ابو ظفر صاحب متعلم انٹرمیڈیٹ کالج علیگڑھ

بھلا یہ تازگی حاصل کہاں تھی گلہائے بستان کو   یہی سینچا ایک خنجر نے مرے ہر زخم خنداں کو
مرا دست جنوں ہنگامہ آرائی قیامت ہے   بسر ہیں غضب کی وسعتیں چاک گریباں کو
وبال دوش ہے اک تار بھی اب جوش وحشت میں   الٰہی کیا کروں نگار رکھ کے داماں و گریباں کو
کیا شرمندہ احسان نواز شہائے پیکاں نے   مرا ناخن ہی کافی تھا علاج زخم پنہاں کو
ہیں اپنی وحشتوں کو ساتھ لیکر جس گھڑی نکلا   کیا دست خزاں نے چاک داماں گلستاں کو
کسی صورت سے ان دونوں کا جھگڑا ہی نہیں چکتا   الٰہی عقل آجائے مرے دست و گریباں کو
دل بیتاب میں ہنگامہ برپا ہے قیامت کا   کوئی دیکھے تو بزم آرائی غمہائے پنہاں کو

نشیمن ہی نہیں باقی تو پھر کس شے کا رونا ہے
اُجڑ جائے ظفرؔ یا آگ لگ جائے گلستاں کو

عالی۔ جناب مولنا کفیل الدین صاحب بدایونی

حقیقت آشنا وہ ہے جو سمجھا اپنے عرفاں کو   یہی تعلیم اک انسان بنا دیتی ہے انساں کو
بڑھا کر دار فانی سے دکان گوہر جاں کو   چلے ہیں بے سر و ساماں اڑا کے ساز و ساماں کو

قیامت سے بھی کچھ پہلے زمیں سر پر اُٹھائی ہے
مرے نالوں نے ٹھہرایا ہے بزمِ محشرستاں کو

تلاشِ خار میں تھک تھک گئے پائے جنوں میرے
بیاباں تجکو ردوں یا جنونِ فتنہ ساماں کو

یہ الجھن ہے کہ اک گونہ تعلق ہو گیا پیدا
تری زلفِ پریشاں سے مرے حالِ پریشاں کو

اُدھڑ جاتے ہیں زخمِ دل کے ٹانکے سانس لینے سے
تم اسکو رشتۂ الفت سے اے بخیہ گر ٹانکو

پتہ چلتا ہے اس سے خفتگانِ قوم کا عاصی
خدا آباد رکھے حشر تک گورِ غریباں کو

عارف جناب ممنون حسین خانصاحب (علیگ) شاہجہانپوری

یہانتک ہم نے ٹکرایا سرِ شوریدہ ساماں کو
گلستاں کیطرح رنگیں کیا دیوارِ زنداں کو

ابھی ہے دورِ منزل اور مانعِ ناتوانی ہے
کہاں تک میں سنبھالونگا الٰہی پائے لرزاں کو

جسے سمجھے تھے دل اک آبلہ تھا اپنی سینہ میں
دعائیں روز و شب دیتے رہینگے انکے پیکاں کو

بحسرت آج تکتی ہیں نگاہیں مرنے والے کی
کوئی تسکین دیدیتا ذرا دم بھر کے مہماں کو

لرز اُٹھے شہیدانِ محبت کنجِ مرقد میں
الٰہی آرہا ہے کون یہ گورِ غریباں کو

ابھی دم بھر کا مہماں ہے ابھی ہے جان آنکھوں میں
جو تمکو دیکھنا ہو دیکھ لو بیمارِ ہجراں کو

وہ شب ہی کو جلی ہم روز و شب جلتے رہے عارف
تعلق کیا بھلا ہم بیکسوں سے شمعِ سوزاں کو

فنا جناب عابد سعید خانصاحب بدایونی

بنایا مجرمِ دیدار میری چشمِ حیراں کو
یہ شوخی اب نئی سوجھی فریبِ حسنِ جاناں کو

غضب میں جان ہی کیا کیا کروں میں جوشِ وحشت میں
اڑاؤں دھجیاں دامن کی یا پھاڑوں گریباں کو

ملا سرچشمۂ تعلیم جنکو تھے وہ سرسید
سکندر نے بہت ڈھونڈا تو ڈھونڈا آبِ حیواں کو

غرور اس چند روزہ زندگی پر نا مناسب ہے
فنا آخر کسی دن تو فنا ہونا ہے انساں کو

فضل جناب خان بہادر سید محمد فضل رب صاحب ڈپٹی کلکٹر (پنشنر) اسپیشل مجسٹریٹ

اسسٹنٹ کلکٹر درجہ اول الہ آباد

بہار زندگی یارب مبارک ہر مسلماں کو — علیگڈھ آکے دیکھا جوبلی کے ساز و ساماں کو
وہ سامان طرب انگیز و بزم آرائی دلکش — کیا ہے جمع اک مرکز پہ جتنے اہل ایماں کو
وہ ساماں جو مسلمانوں کو ہے سرمایۂ نازش — کیا ہے جتنے مدعو والیان ملک ذیشاں کو
جدھر دیکھو ادھر اک آفتاب علم ہے روشن — خجل کرتی ہے جسکی روشنی ماہ درخشاں کو
ہزاروں شیر قالیں فرش دنیا پر نظر آئے — مگر دیکھا علیگڈھ میں فقط شیر نیستاں کو
یہیں وہ شیر سوتا ہے نہیں محمود و محسن بھی — بنایا تھا جنھوں نے رشک گلشن اس بیاباں کو
انھیں کے آفتاب علم کی ہے روشنی ہر سو — ضیائے دین وہ شمس مائے جو حسن تاباں کو
کھلے ہیں پھول یہ جتنے ثمر ہے انکی نیت کا — ریاضت سے سنوارا تھا جنھوں نے اس گلستاں کو
خزاں آئی ہزاروں بار اجڑے بوستاں لاکھوں — مگر گرد فنا چھونے نہ پائی اس کے داماں کو
ہزاروں شمع ملت کے فدائی جمع ہیں اسلام — یہ پروانے مبارک پر تو شمع شبستاں کو
مسلمانو تمھارے امتحاں کا آج یہ دن ہے — اگر بھولے نہیں ہو محسنوں کے اپنے احساں کو
کہ دنیا یونیورسٹی کی خوب مستحکم — رکھو سرسبز و شاداب اپنے اس علمی گلستاں کو
لٹا دو مال و دولت راہ میں قومی ترقی کی — کرو اپنی قوم کی امداد لازم ہے ہر انساں کو
خداوندا مبارک ہو یہ جشن جوبلی سب کو — ہنود و پارسی کو اور نصاریٰ کو مسلماں کو
ٹرسٹیز اور کالج کو مبارک جشن جمشیدی — مسلمانوں کی یونیورسٹی کو اور سلطاں کو
یہ یونیورسٹی ہو فضل رب سے رشک غرناطہ — اور اس پر رشک آئے کیمبرج کو انگلستاں کو

مطلع ثانی

ہم آئینہ کی صورت دیکھتے ہیں بزم جاناں کو — بنا رکھی ہے ٹکٹکی حیرت سے اپنی چشم حیراں کو
نہ کیوں دیکھا کریں ہم مصحف رخسار جاناں کو — مسلماں رکھتے ہیں پیش نظر تفسیر قرآں کو
عجب کیا ہے جو ہر ذرہ چمک کر مہر تاباں ہو — غلامی سے ملی تھی بادشاہی ماہ کنعاں کو

فلک کے دور میں برباد ہے مٹی عشرتیوں کی
امیرو! اک نظر تو دیکھ لو گور غریباں کو

الہ آباد ہائیکورٹ میں وہ دیکھ لے جا کر
کسی نے گر نہ دیکھا ہو کبھی تخت سلیماں کو

بفضل رب پھلا پھولا رہے اسلام کا گلشن
خزاں کا کوئی جھونکا چھو نہ جائے اس گلستاں کو

فرحت جناب مرزا قطب عالم صاحب دہلوی

کیا آراستہ تعلیم سے قوم مسلماں کو
بھلا سکتے نہیں ہم لوگ سرسید کے احساں کو

کبھی سودا یہ تھا چھوڑیں نہ ہم صحن گلستاں کو
تقاضا ہے یہ وحشت کا کہ چلیے اب بیاباں کو

کلیجے سے لگا کر ہم نے رکھا جسکے پیکاں کو
ہمیں سے دشمنی الٹی ہوئی اس دشمن جاں کو

بہار بے خزاں کے پھول اس گلشن میں کھلتے ہیں
خدا شاداب رکھے اس دبستاں کے گلستاں کو

نہ جلنے سے کبھی فرصت نہ رونے سے کبھی مہلت
ہمارے قلب سوزاں کو ہماری چشم گریاں کو

بڑے ہمدرد ہیں میرے جو یہ ہنس ہنس کے کہتے ہیں
یہ نالے فاش کر دینگے تمہارے راز پنہاں کو

نہ وہ مستی نہ وہ شوخی نہ وہ گھاتیں نہ وہ باتیں
بھلا نرگس سے کیا تشبیہ دوں اس چشم فتاں کو

خدا سمجھے تمھیں اے نالۂ پر درد چشم تر
کہ ظاہر کر دیا تم نے ہمارے درد پنہاں کو

ڈروں کیا حشر سے فرحت مجھے امید واثق ہے
بہا لیجائینگے اشک ندامت فرد عصیاں کو

کوثر جناب محمد الطاف حسین صاحب انٹر کالج

یہ آخر ہو گیا کیا عاشقان مست و حیراں کو
کہ فرط شوق میں منزل سمجھ بیٹھے بیاباں کو

مری خوں نابہ افشانی نے رونق دی وہ زنداں کو
کہ فریادی نہ رونے یاد کر کے بھی گلستاں کو

اُٹھا آنکھوں کا تبسم اُن لبوں کی نغمہ سامانی
لیا کچھ غنچۂ و گل نے ملی کچھ مرغ بستاں کو

نشیمن کے خس و خاشاک تک سب باقی نہ ہوں جس میں
الٰہی کیا کرے لیکر کوئی ایسے گلستاں کو

دکھا کر اک جھلک سامان راحت جسنے لوٹا تھا
نگاہیں ڈھونڈتی ہیں پھر اسی ناز نگر جاں کو

مقدر میں جو لکھا تھا وہ آخر ہو گیا کوثر
نہ روئیں دیکھکر اب وہ مرے حال پریشاں کو

کفیل — حضرت کفیل صاحب

اگر الجھن ہی ہونا تھی تو ہوتی شام ہجراں کو
سحر نے کس جنوں میں چاک کر ڈالا گریباں کو

مری وحشت جو کہلاتی ہے مجھ سے کیوں نہیں کہتے
چھپا رکھا ہے کیوں تم نے مرے حال پریشاں کو

کسی کے وعدۂ دیدار۔ باز و تھام لے اسکا
کہ یہ پہلا سفر درپیش ہے بیمار ہجراں کو

صبا صل علیٰ پڑھتی ہے جنبش قبلہ رو ہو کر
انھیں پھولوں سے بھرنا ہے ہمیں دامانِ ایماں کو

جھلک بھی دیکھ پاتی وہ جو حسنِ روئے تاباں کی
زلیخا کشمکش میں ڈالتی یوسف کے داماں کو

ہمیں جو کہے یہی آخر پیام وصل ہو جاتا
بڑھے ہے نا وقت رد کا اضطراب روز ہجراں کو

چھپانا تھا تو کیا کم تھے ہمارے آنکھ کے پردے
شرار دل کی عبث چادر اڑھا دی حسن پنہاں کو

کفیل اب شرم عصیاں کو کبھی چھوڑ دیں بھی کس غم ہے
اسے بھی سونپ دو محشر میں اپنی چشم گریاں کو

گوہر۔ (امیر الشعرا) جناب محمد منور خاں صاحب رکن خاندان ہز ہائینس نواب والاجاہ فرمانروائے کرناٹک مدراس

جگہ دینگے اگر وہ اپنے دل میں میرے ارماں کو
نہ بھولونگا کبھی میں اے مقدر تیرے احساں کو

کیا ہے عشق نے زنار سے وابستہ صنعاں کو
کبھی بھیجا ہے یوسف سے حسیں کو اسنے زنداں کو

ہوا ہے گھر میں دیکھا آج نقشہ غیر کے گھر کا
کبھی دیکھا نہ تھا میں نے گلستاں میں بیاباں کو

بکاسے یاد وحشت نے کس روز انکی فرقت میں
کیا کس دن نہ صد چاک اپنے ہاتھوں سے گریباں کو

حکومت پائی یوسف نے کڑی بھی قید کی جھیلی
خوشی بھی مصر نے بخشی کیا ناخوش بھی کنعاں کو

ستارہ میرا چمکے ہاں نصیبا میرا جاگ اٹھے
گھڑی بھر کے لیے گر نیند آئے تیرے درباں کو

یہ دل بھرتا ہے دم ہر وقت ہر دم بیوفائی کا
نہیں سنتا کسی کی کیا کہوں میں ایسے ناداں کو

کسی کی یاد دل میں آئی آتے ہی کہا مجھ سے
کبھی اے میزباں جانے نہ دے اس گھر سے مہماں کو

امید و کامیابی کا گزر ہو میرے مسکن میں ۔ پتا ملجائے گر دشمن کے گھر کا پاس درباں کو
رہے پھر کیوں نہ مجھ وحشی کو سودا تیرے گیسو کا ۔ پریشاں سے ہوا کرتی ہے اک نسبت پریشاں کو
خیال اُنکا مرے دل سے نہ نکلا ہے نہ نکلیگا ۔ کلیجہ سے لگا رکھا ہے میں نے جنس ایماں کو

مجھے روتا جو دیکھا ہنس کے وہ یوں ناز سے بولا
خوشی کا سامنا اب ہوگا گوہر کے دل و جاں کو

ہمائی ۔ جناب سید کمال احمد صاحب ہمائی

نہ فرماتے اگر مجھ سے دریغ الطاف پنہاں کو ۔ تو میں نعمت سمجھتا آپ کے جور نمایاں کو
یہی تو اک سہارا ہے مرا صبح قیامت تک ۔ مرے بالیں پہ جلنے دو چراغ شام ہجراں کو
کہیں تو کون مانیگا کہ استغنائے الفت نے ۔ ہمارے سامنے ٹھکرا دیا ملک سلیماں کو
تمیز فقر و دولت اک جنون ہوشیاری ہے ۔ ملا دیتی ہے ہشیاری جنوں کی جیب و داماں کو
نہیں جب صنم الفت نگاہ اولیں تیری ۔ تو میں بھی رد نہ کردوں دعوت تجدید ایماں کو

مسلم مجھ کو زنداں کی آرائش مگر ہمائی
ہٹا دے نقشۂ آزادیٔ دشت و بیاباں کو

مائل ۔ جناب حاجی محمد اسحاق صاحب آنریری مجسٹریٹ بڑیلہ ضلع علیگڈھ

بجا ہے سجدۂ شکرانہ اُس محبوب سبحاں کو ۔ یہ جشن جوبلی ہوشے مبارک ہر مسلماں کو
بنا ہے ایم۔ او کالج یہ اب پنجاہ سالہ ہے ۔ ہوئی جسکے سبب دلکو مسرت تازگی جاں کو
علیگڈھ منتخب ہوکر یہ کالج پھر ہوا اعلم ۔ نہ کیونکر فخر ہو اس ضلع کے ہر اک مسلماں کو
کبھی تھا ایم۔ او کالج ہوئی یونیورسٹی اب ۔ چڑھائیگی یہ معراج ترقی پر مسلماں کو
بنا ڈالی تھی سید نے اسکی نیک ساعت میں ۔ دکھایا کیا کیا پھر کرکے اس کا رنمایاں کو
جو سید کی پیشنگوئی تھی ہو کر رہی وہی ۔ بھرا پھر ہر کسی نے گوہر مقصد سے داماں کو
اُسی کی ذات ہے بیشک جتائیں فخر کے قابل ۔ اُسی ہستی پہ ہے کہکر ناز کیا ہر اک مسلماں کو

وہی وحشت دل نہیں ہے وہی ہے تذکرہ اب تک
دلادی سب کو کیا اکیا کس طرح تعلیم کی رغبت
بجا کر علم کا ڈنکا جگایا خواب غفلت سے
ترقی اسکی دیکھی اور آگے دیکھ بھی لو گے
نکل جائیگا موقع ہاتھ سے ہوگی پشیمانی
رہے سرگرم خدمت قوم بھی جلد ادا کیں بھی
مرے ہمدرد لکھنے سے یہ صدا آتی ہے سائل

اسی سہم گرامی کا سبق ہے اہل دوراں کو
بنایا اُسنے فخر قوم ہر طفل دبستاں کو
کیا آگاہ فرض منصبی سے ہر مسلماں کو
کرو ایثار دل قربان کرو جسم کو جاں کو
ادھر آؤ بھرو آکر اسکے جیب و داماں کو
کھپا دو مال و دولت کو فدا کر دو دل و جاں کو
کبھی باد خزاں چھونے نہ پائے اس گلستاں کو

مطلع ثانی

عجب انداز سے شانوں پہ ڈالا زلف پیچاں کو
مجھے اسطرح میری بے خودی وحشت بیاباں کو
کوئی سمجھائے تو دیوانۂ زلف پریشاں کو
ابھی مٹ جائیگا سب یہ جنون عشق کا جھگڑا
مری یہ ناتوانی مجھکو اب مجبور کرتی ہے
کسی دن بھی نصیبا ہوتی نہیں جمعیت خاطر
مزا دیتی ہے کیا کیا یہ خلش ہوتی ہے رہ رہ کر
بدلتی ہے مرے چہرہ کی رنگت ہجر میں کیا کیا
کہاں جاتے ہو دل لیکر ادھر آؤ کہا مانو

ہوا دھوکا پری کا دیکھکر اُس آفت جاں کو
کبھی ٹکڑے کیا دامن کبھی پھاڑا گریباں کو
اُٹھایا کس لیے شور سلاسل سے زنداں کو
ذرا اک نشتر مژگاں سے چھیڑو تو رگ جاں کو
اُڑا لے چل ہوائے شوق تو ہی کوئے جاناں کو
فراہم کرسکیں پھر کیا خیالات پریشاں کو
مرے دل سے نکالو تم نہ ہرگز اپنے پیکاں کو
تم آکر دیکھ لو خود ہی مری بیتابیِ جاں کو
بڑا کرتا ہے آخر واسطہ انساں سے انساں کو

عجب ہے واقعہ پر درد لے سائل نہ رحم آیا
ڈبویا بھائیوں نے چاہ میں اُس ماہ کنعاں کو

مخمس حضرت محشر لکھنوی

کبھی کچھ نذر دونگا میں جنون فتنہ ساماں کو
یہی دھن ہے اگر جوش جنوں نے خاک اُڑا دیگی

اسی دن کیلیے محفوظ رکھا ہے گریباں کو
اُڑا دونگا کسی دن میں بیاباں کے بیاباں کو

دوائے چارہ گر سو ہاں روح اسکو نہ کیونکر ہو
کہ جو درد جانِ مسیحا ہو ضبطِ دردِ پنہاں کو

مرا خواب پریشاں کیا ہے اک تعبیر بربادی
کہ جس وقت آنکھ جھپکی خواب میں دیکھا بیاباں کو

چلا ہوں سینے تکلف جلوہ گاہ نازِ جاناں ہیں
کلیم اللہ ذرا دیکھیں مرے سینے کا رخشاں کو

کفِ پا کی خلش سے بڑھ رہا ہے ذوقِ دعا ہی
سمجھتا ہوں رگِ جاں سے سوا خارِ بیاباں کو

نکلکر دل سے آنسو جوشِ غم میں آنکھ تک پہونچے
یہ وہ ساحل ہے جو روکے ہوئے ہے زورِ طوفاں کو

جمالِ دوست کی دل میں نہاں ہیں کتنی تصویریں
خدا آباد رکھے حشر تک اس بوستاں کو

علیگڈھ جوبلی میں افسوس ہے منتشر نہ جا سکیگا
ضرورت کسقدر مجبور کر دیتی ہے انساں کو

محمود۔ جناب محمود احسن صاحب صدیقی بی۔ اے (علیگ)

بڑھاؤ گے کسی درد آشنا کے جوشِ طوفاں کو
تو یہ وصل دیکھو آزما لو چشمِ گریاں کو

ہے اُس سے نسبت اگر تم تمہاری نوکِ مژگاں کو
نہ کیوں میں پیار سے پہلو میں رکھ لوں نوکِ پیکاں کو

حیاتِ تازہ مجھکو بخشتی ہے ہر خلش اس کی
نہ کھینچ اے چارہ گر سینہ سے میرے تیرِ جاناں کو

نہ چھیڑ اے باغباں مجھکو کہ حیرت دم نشیمن ہوں
مری آہ سوزاں پھونک ڈالیگی گلستاں کو

الٰہی کیسی بستی ہے خدایا کیسی دنیا ہے
کہیں خونِ تمنا ہے کہیں رونا ہے ارماں کو

ذرا سی آہ گھٹنے نے دیا درسِ عمل مجھکو
خرد بس بیخودی میں پیار کرکے شمعِ سوزاں کو

مجھے فرصت کہاں ہے اس تماشائے پیہم سے
چمن میں تو بھی ہمدم دیکھ لے گلہائے خنداں کو

شبِ فرقت میں حاصل ہے مجھے سامانِ بیداری
دعا پر طول ہو کچھ اور رسا عشقِ ہجراں کو

نگاہِ حسن جویاں کی کوئی دیکھے یہ بد ذوقی
سمجھ رکھا ہے اک پردہ نقابِ روئے جاناں کو

محقق۔ جناب محمد نصر اللہ خانصاحب [illegible] بلند شہر انسپکٹر بٹوارہ کمشنری لکھنؤ

چھپاؤں اب کہاں تک رازِ الفت دردِ پنہاں کو
میں تھاموں لاکھ تصور کو روکوں اشکباراں کو

کوئی حد ضبطِ غم کی ہو کہاں تک ضبط ہو دل کو
پھونک جاتا ہے دل روکوں میں کیسے آہِ سوزاں کو

کہا مانو لپٹ جائیں نہ نازک گورے ہاتھوں میں
یہ کالے ناگ ہیں چھیڑو نہ تم زلف پریشاں کو
ہزاروں قسمیں کھا کھا وعدے کرنا پھر مکر جانا
تمہیں کہہ دو کہیں ہم کیا تمہارے عہد و پیماں کو
مسلمانوں پہ لازم شکر بے حد پاک یزداں کو
کیا ہے جس نے سید احمد سے مسلماں کو
بکھرتا دیکھ کر شیرازۂ اسلام احمد نے
علیگڈھ میں کیا ہے جمع اوراق پریشاں کو
فقط یہ فیض ذات سید احمد کا تصرف ہے
جو کچھ تم دیکھتے ہو آج ذی رتبہ مسلماں کو

محقق سید احمد ایک ولی اللہ کامل تھا
تصدق قوم پر جس نے کیا ہے مال کو جاں کو

مظہر جناب اعتصام الدین صاحب انصاری عربک کالج دہلی

ذرا صحن چمن میں جذبۂ کامل سے آ بلبل
کہ پھونکا ہے گلوں کی آہ نے رنگ گلستاں کو
مسرت چاہیے گر مظہرا تو بس یا دصبا بن جا
الجھنے دے نہ داماں سے کبھی خار بیاباں کو
اخوت کا نشاں باقی نہیں معدوم ہے الفت
خودی نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوع انساں کو
کسی کو عشق لیلیٰ ہے کوئی دیوانۂ شیریں
کوئی معراج حسن عشق سمجھا ہے بیاباں کو
بگولا کل یہ کہتا تھا سوار باد صرصر سے
یہی ذرے اڑا لیجائینگے اکدن بیاباں کو
محیط سوز دل میں پھیر عیاں ہو جوش طغیانی
شرر انگیزیاں حاصل ہوں برق آہ سوزاں کو
سکھاؤ مسلمو اپنے ہر اک ذرہ کو طغیانی
یہی ذرے اڑا لیجائینگے اک دن بیاباں کو

مظہر جناب محمد مظفر حسین صاحب سلیمانی شاہ آبادی

یہ سر سید کا کالج دلکشا پر فیض گلشن ہے
کہ جسکے دیکھنے سے آنکھ ہر مسلم کی روشن ہے
ہوا صد شکر اب پنجاہ سالہ جشن جوبلی کا
خوشی کا اسلیے ہر سمت بجتا آج ارگن ہے
کہیں سوسائٹی کل ہند میں اس سے نہیں اچھی
یہ بیشک مغربی تعلیم کا ہم درس لندن ہے
نمایاں کیوں نہ ہر شعبے سے اسکے شان ترقی ہو
خدا رکھے یہی اسلام کا مشہور مسکن ہے
ہوئی شہرت یہ ہندستان کے ہر اک صوبہ میں
علیگڈھ علم اور اخلاق اسلامی کا مخزن ہے

رہیگا بے ہنر بیشک نہایت خوار دنیا میں
کمائیگا وہی دولت کہ جو ذی علم و فن ہے

لکھے اشعار تو نے چند جو اصلاح قومی میں
مظفر یہ غزل تیری ہی یا دلسوز شیون ہے

مطلع ثانی

کیا قائم ہے سرسید نے اس قومی دبستاں کو
خدا گلزار رکھے حشر تک علمی گلستاں کو

خدا کے فضل سے اس سے شعاعیں علم کی پھیلیں
کہ روشن کر دیا کالج نے ہند و روم ایراں کو

خدائے پاک سرسید کو بخشے فضل و رحمت سے
کیا ممنون منت جس نے اس نے ہر مسلماں کو

تمہیں سے نوجوانو قوم کی قائم ہیں امیدیں
ترقی پھر کرو علم و عمل میں پڑھ کے قرآں کو

رہے تاریک کب تک خانۂ دلسوز فرقت سے
کبھی روشن کرو جلوے سے آ کر اس شبستاں کو

ہوئے جاتے ہیں مضطر اب تو ہم اس رد ہجراں سے
خدا کیواسطے دکھلا دو آ کر روئے تاباں کو

مظفر شعر ہی اچھا نہ کہا جب کوئی تو نے
پسند آئیگی کیونکر یہ غزل قابل سخنداں کو

نائب جناب عبدالستار صاحب ایم اے حیدرآبادی (علیگ)

نہ ہو کیوں فکر خود سازی مری ہستی نازاں کو
پر پرواز جس دم ملا ہے طائر جاں کو

ہوئی رونق اکابر سے علیگڈھ جوبلی کو یہ
سنوارا جس طرح تاروں نے بزم ماہ تاباں کو

اسی کا جلوہ آتا ہے نظر جدھر سر اٹھتے ہیں
میں حیراں ہوں کہ دیکھوں کس نظر سے کفر و ایماں کو

سکندر تو نہیں ہوں جو پیاسا رکھیگا خضر
کہ میری تشنگی کی فکر خود ہے آب حیواں کو

وہ دل سینے میں رکھتا ہوں کہ باغ بیخزاں ہے
سمجھتا ہوں بیاباں کے برابر میں گلستاں کو

نہ دیکھو ذرہ پا کے حقیقت کو حقارت سے
یہی ذرے اڑا لیجاتے ہیں اک دن بیاباں کو

حقیقت سے یہ ماہر ہے طریقت اس پہ ظاہر ہے
بجز نائب کے سمجھا کب کسی نے راز عرفاں کو

از مولانا مولوی نور الحسن صاحب مدظلہ نیر مولف نور اللغات خلف مولانا محسن کاکوری صدر آل انڈیا اردو کانفرنس دھلی

عالم خلوت میں مجھکو اتفاقاً ایک شب — رب سے موقع مل گیا اک شکوۂ دلگیر کا
دست بستہ عرض کی مین نے کہ ای بندہ نواز — تیری رحمت نے بڑھایا حوصلہ تقریر کا
غور سے کرتا ہون مین جو اگلی لوگون پر نظر — ساتھ انکے اور ہی کچھ ڈھنگ تھا تقدیر کا
اُن مین بھی ایسے تھے جو تھی تیری منکر صاف صاف — ہم مین بھی ایسے ہین جنکو تکیہ ہے تدبیر کا
انکی آہین عرش کے نیچے کبھی رکتی نہ تھین — اپنی آہین پست ہین پلہ نہین اک تیر کا
ہوتے تھے اپنے ارادون مین وہ اکثر کامیاب — ہمکو تو کھٹکا لگا ہے کچھ نہ کچھ تقصیر کا
تیری رحمت عام تھا اور تو سراپا رحم ہے — تجھ سے کچھ کھٹکا نہین تبدیل کا تغیر کا
توبہ توبہ تو خفا ہو جائے یہ ممکن نہین — پھر یہ کیون انداز بدلا عالم تقدیر کا
ہنس کے فرمایا کہ ای ناواقف اسرار غیب — نکتہ چینی اتنو شیوہ ہے جوان و پیر کا
ہم اشارے مین تجھے سمجھائے دیتے ہین ابھی — گرچہ یہ مضمون نہین محتاج ہے تفسیر کا
قوم مین باقی اخوت ہے نہ کچھ لطف و کرم — چہرون مین ہے رنگ مرجھائی ہوئی تصویر کا
دلمین کچھ ہے اور زبان سے کچھ کہا کرتے ہین — پھر گلہ رہتا ہے ہر دم خوبی تقدیر کا
ناخدا ہے کشتی اسلام کا خلق عظیم — اور کج خلقی ہے شیوہ ہر جوان و پیر کا
لب پہ ہے سبحان ربی دلمین انی ربکم — اس عبادت پر ہے تکیہ ہر جوان و پیر کا
دہر ہے سب کو خدا مانین یہ اپنے نفس کو — دام یہ پھیلا ہوا ہے زور کا تزویر کا
دل کے آئینہ سے پارہ اڑ گیا اخلاق کا — رد کے رخصت ہو گئی خاکا رہا تصویر کا
اپنے اپنے نفس کو ہر اک بنائے ہے خدا — اور خدا [illegible] ہے مجموعہ تقصیر کا
سچ بتا دیکھے ہین تو نے کتنے ایسے نیکخو — جنکو ہو اقرار دل سے اپنی ہی تقصیر کا
جو پرستش میری کرتی ہون خلوص دل کے ساتھ — مدعا سمجھے ہون جو تدبیر کا تقصیر کا
ہو زبان انکی مطابق دل کے دل ہو آئینہ — آئینہ وہ جس مین جلوہ ہو مری تصویر کا
ہم نہین بدلے نہ بدلا ہے ہمارا انتظام — فرق ہے تیری سمجھ کا پھیر ہے تقدیر کا
خود نمونہ بنکے دنیا کو دکھا اے خود پسند — گر ارادہ ہے کسی اصلاح کی تدبیر کا

خود پرستی چھوڑ دے کر حق پرستی اختیار
راز کھل جائیگا تجھکو عالم تقدیر کا

جناب نشتر عبد الحمید صاحب نشتر خلف جناب فقیر محمد صاحب
از عدن ملک عرب شاگرد جناب جمیل صاحب

تمنا ہے یہ مدت سے ہمارے جیب و داماں کو
کبھی افسردہ دل ہو ہو کے رہجاتے ہیں قسمت پر
علیگڈھ علم اور اخلاق اسلامی کا مخزن ہے
ہیں وہ عاصی ہوں میری مغفرت ہوگی جو تخمین
ترے فضل و کرم سے گلشن اسلام ہو تازہ

بنایا ہم بھی مجنون کیطرح مسکن بیابانکو
کبھی اشکوں سے تر کرتے ہیں اپنے جیب و داماں کو
ذریعہ ہے یہی تعلیم کا طفل مسلمانونکو
مری تر دامنی پر رشک ہوگا حور غلمان کو
الٰہی دور کر دے اس خزان کو دور دورانکو

سر سودا رہا جوش جنون ایسا اگر نشتر
یہی ذرے اڑا لے جائینگے ایکدن بیابانکو

شوکت۔ حضرت شوکت متعلم علیگڈھ یونیورسٹی

یہ کی تقسیم یون ٹھہرا دیا ہر ایک مہمانکو
ہمارے ہاتھ کو لپکا ہے دامن چاک کرنیکا
خطر ہے دست وحشت سے گریبان جاکریا
الٰہی دامن لیسے مرے داغ گنہ دھو دے

جگہ دی دلمین حسرت کو جگر مین تیر و پیکانکو
حفاظت سے ذرا رکھے قیامت اپنے داماں کو
کہیں یہ چاک کر ڈالے نہ انکے جیب و داماں کو
تصدق اپنی رحمت کا مٹا دے جرم و عصیانکو

شکایت کرتے پھرتے ہو جو شوکت اسکے ظلمونکی
دیا تھا سوچکر کیا تم نے دل اس آفت جان کو

غلط نامہ

صحیح	غلط	سطر	صفحہ
جیندرمہ	جذبہ	۱۵	۸
ایران	ایرال	۱	۹
یونان	یونال	۱	۹
ہندوستان	ہندوستال	۱	۹
افلاطون	افلاطول	۲	۹
اُن	ال	۲	۹
تھا سلطانِ اندلس و غزنیں میں ایک کتاب	....	۶	۹
سکھو دیا سب کام آخر ہو گئے تاریک سینۂ روم و شام و ایران		۱۸	۹
مسلمان	مسلمانوں	۱۲	۱۰
ہو	سے	۱۳	۱۲
اختلافات	اختلافی	۵	۱۳
مثالیں	مطابقتی	۵	۱۳
تفتیش	تفتیں	۶	۱۳
ڈیاوی	والوے	۱۰	۳۴
سوئمنگ	سیونگ	۱۰	۳۷

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۳	۱	ہیتوروی	ہینپوروی
۵۱	۱۰	انٹرڈیٹ	انٹرمیڈیٹ
۵۱	۱۵	احزان	احزاں
۵۱	۱۵	مہمان	مہماں
۵۱	۱۵	یونان	یوناں
۵۱	۱۶	سامان	ساماں
۵۱	۱۶	دلمین	دلمیں
۵۱	۱۶	پنہان	پنہاں
۵۱	۱۷	خوآب	خواب
۵۲	۲	دشمون	دشمنوں
۵۲	۵	پاسیان	پاسباں
۵۲	۵	ترجمہ	ترجمان
۵۲	۶	داستان	داستاں
۵۲	۶	نشان	نشاں

سوز و ساز

انجمن حدیقۃ الشعراء مدرسۃ العلوم علیگڈھ کے معرکۃ الآرا مشا
جسے کا گلدستہ جو فروری ۱۹۱۵ء میں علیگڈھ میں منعقد ہوا تھا
جس میں مولانا حالی۔ مولانا شبلی مغفور علیہما الرحمۃ کے مرا
بھی شامل ہیں۔ اس گلدستہ کے کچھ نسخے ہمارے پاس موجود ہیں
جن حضرات کو ضرورت ہو وہ ہم سے منگوا سکتے ہیں۔ قیمت ۱۰
ملنے کا پتہ۔ مینیجر صاحب مسلم یونیورسٹی بکڈپو علیگڈھ

علیگڈھ مسلم یونیورسٹی کا علمی و ادبی رسا

علیگڈھ میگزین

جو آب و تاب کے ساتھ آرٹ پیپر پر زیر ادارت جناب انیس الد
صاحب رضوی بی۔ اے آنرز (علیگ) ماہوار شائع ہوتا ہے قیمت سالا
اس کے مضامین ملک کے بہترین اہل قلم کا نتیجہ ہوتے ہیں

نمونہ مفت

منگا کر پڑھیے نمونہ دیکھنے پر یہ آپ کی خود بھی رائے ہوگی
ہندوستان کا بہترین رسالہ ہے

ملنے کا

مینیجر علی گڈھ میگزین نمبر ۴ سر سید احمد ہال علیگڈھ مسلم یونیورسٹی

باہتمام [illegible] حسن علوی [illegible] پریس پاٹا نالہ لکھنؤ طبع شد